کہانی سیریز

حصہ اول

کہانیوں کی دُنیا

بچّوں کے لئے دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں

جمع وترتیب

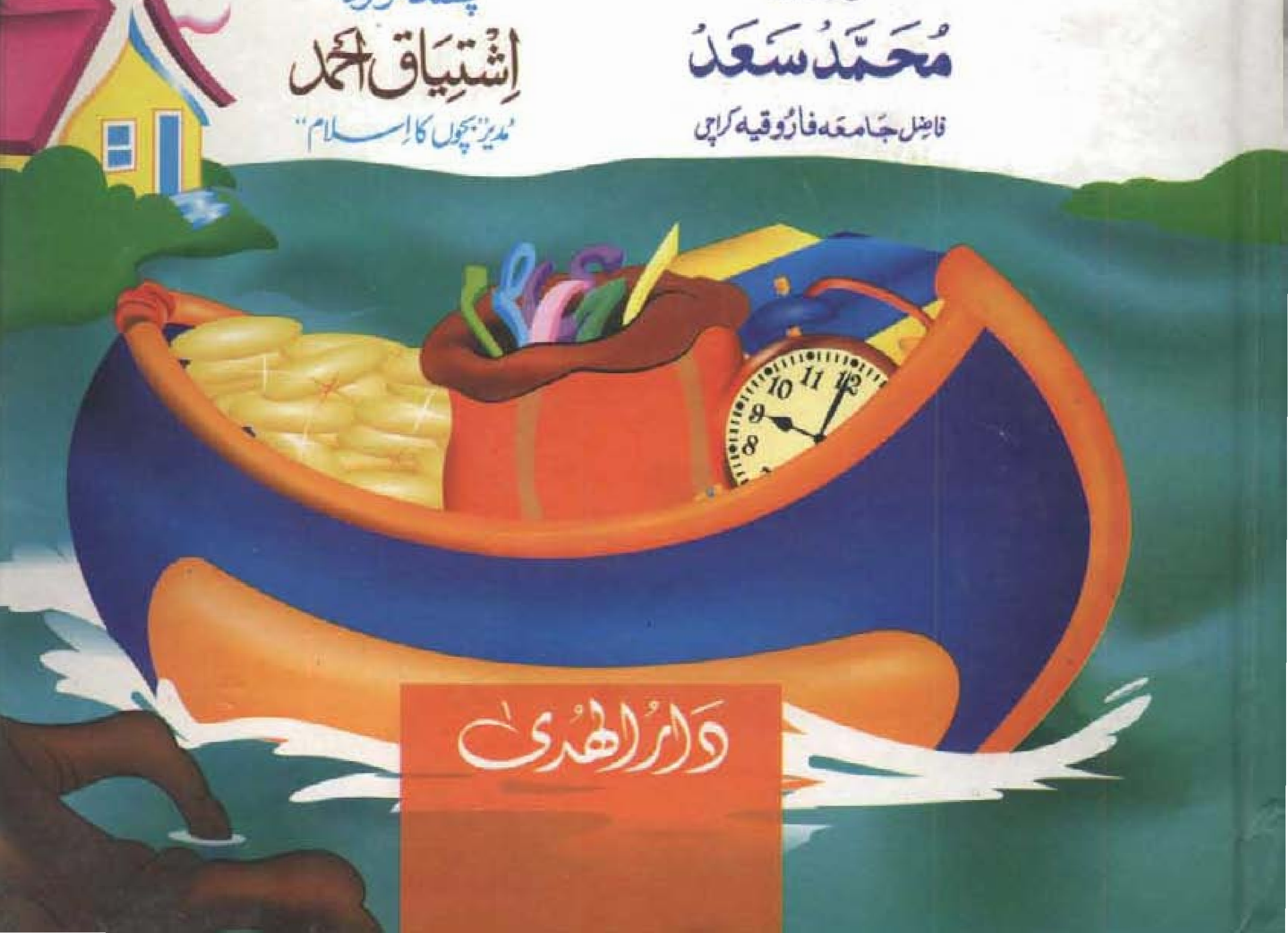
مُحمّد سَعد

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

پسند فرمودہ

اِشتیاق احمد

"مُدیر" بچوں کا اِسلام"



دارُالہدیٰ

کہانی سیریز

حصہ اول

کہانیوں کی دنیا

بچوں کے لئے دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں

جمع وترتیب

محمد سعد

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

پسند فرمودہ

اِشتیاق احمد

مدیر "بچوں کا اسلام"

دارالھدیٰ

کتاب کا نام.......... کہانیوں کی دنیا

تاریخ اشاعت........ اپریل 2008

ناشر..... دارالھدیٰ
دفتر نمبر ۸، شاہ زیب ٹیرس نزد
زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی

فون : +92- 021-2726509

موبائل :
+92-21 - 0300-8213802

ای میل :
maktaba_darulhuda@inbox.com

اسٹاکسٹ
مکتبہ بیت العلم
نزد: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
Ph: +92-21 - 2018342
Fax: +92-21 - 4914569

ملنے کے دیگر پتے:

- ☆ بیت العلم ٹرسٹ، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی
- ☆ زم زم پبلشرز نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ☆ بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- ☆ قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ☆ ادارۃ القرآن، لسبیلہ چوک، کراچی
- ☆ صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک، کراچی
- ☆ مکتبۃ القرآن، کراچی
- ☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ☆ مکتبۃ الحسن، اردو بازار، لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی
- ☆ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- ☆ دارالقرآن اکیڈمی، محلہ جنگی، پشاور
- ☆ عزیز کتاب گھر، گھنٹہ گھر، سکھر
- ☆ حافظ اینڈ کو، لیاقت مارکیٹ، نواب شاہ
- ☆ بیت القرآن، چھوٹکی گھٹی، حیدرآباد
- ☆ علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی

فہرست مضامین

مقدمہ

کسی اللہ والے کی مجلس میں حاضرین سے پوچھا گیا کہ اس دور میں سب سے زیادہ مشکل کام کیا ہے؟ مختلف لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور علم کے مطابق جواب دیا۔ اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ ''حلال کمانا'' یا ''سچ بولنا'' اس دور کا مشکل ترین کام ہے۔ مگر سوال کرنے والے نے خود اس سوال کا جواب یہ دیا کہ اس دور کا مشکل ترین کام ''اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرنا'' ہے۔

ظاہر ہے کہ بچے کھانے پینے کی چیز نہیں جنہیں خراب ہونے سے بچانے کے لیے فریج میں رکھا جائے یا دیگر انتظامات کیے جائیں۔ بچے فقط سونے چاندی کی طرح بھی نہیں کہ انہیں تجوری میں بند کر کے خطرات سے محفوظ کر دیا جائے۔

اس ساری صورت حال کے باعث سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں؟ اس سوال کا آسان اور قابل عمل جواب یہ ہے کہ اپنے بچوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے کے علاوہ عملی نمونہ اپنی سیرت و کردار سے پیش کیا جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے بچوں پر اچھے اثرات پڑتے ہوں اور برے اثرات سے ان کی حفاظت ہوتی ہو اور بس! بظاہر قانونِ خداوندی یہی ہے کہ جو کچھ انسان کے بس میں ہو وہ کر ڈالے تو جو کچھ انسان کے بس میں نہیں ہوتا اس کا انتظام اللہ تعالیٰ فرما دیتے ہیں۔ لیکن یہ انتظام بقدر جذبہ و کاوش ہوا کرتا ہے۔ جتنی کوشش انسان نے کی ہو گی اور جتنا اخلاص انسان کے اندر ہو گا، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اسی کے بقدر آئے گی۔

محض اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو حضرات اساتذہ کرام کی سرپرستی میں کچھ کام کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی کاوش ''ذوق و شوق'' کے نام سے پانچ حصوں پر مشتمل شائع ہو چکی ہے اور اب الحمد للہ ننھے منے نونہالان امت کے لئے تربیتی کہانیوں پر مشتمل کتاب ''کہانیوں کی دنیا'' کے نام سے

پیش خدمت ہے۔ اللہ رب العزت اس کو قبول فرمائے اور اس کو نافع عام وتام بنائے۔

اس سلسلے میں بندہ ان حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے بندے کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی اور رہنمائی فرمائی جن میں خصوصاً اساتذہ مدرسہ بیت العلم واساتذہ جامعہ فاروقیہ واساتذہ دار العلوم واساتذہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، احباب شعبہ تصنیف وتالیف مدرسہ بیت العلم اور شیخ محترم بھائی واصف منظور صاحب دامت برکاتہم شامل ہیں۔ اللہ رب العزت ان اکابرین کا سایہ ہم پر سلامت رکھے اور ہمیں ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ تمام حضرات اور خصوصاً اہل علم احباب سے درخواست ہے کہ غلطی پر بندہ کو ضرور متنبہ فرمائیں اور اللہ رب العزت سے بندہ کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت مرتے دم تک دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

محمد سعد

اللہ دیکھ رہا ہے

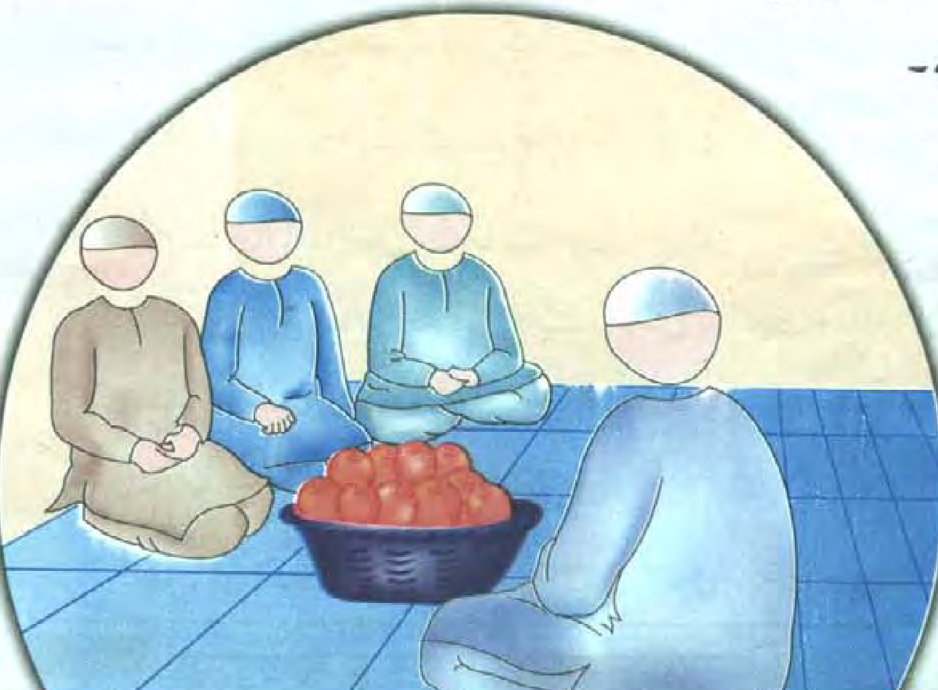
ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔

اس کے تین بیٹے تھے تینوں اپنے والد سے بہت محبت کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بھی اپنے بیٹوں سے بہت محبت کرتا تھا۔

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن نے اپنے تینوں بیٹوں کو بلایا اور ان کو ایک ایک سیب دیا اور کہا کہ اس سیب کو ایسی جگہ جا کر کھاؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ جو ایسا کرنے میں کامیاب ہوگیا میں اسے انعام دوں گا۔

تینوں بیٹے والد کو اللہ حافظ کہہ کر اور ان سے دعائیں لے کر گھر سے نکلے۔



دوسرے دن عبدالرحمٰن نے پھر بیٹوں کو بلایا اور باری باری سب سے پوچھا۔ سب سے پہلے بڑے بیٹے عبداللہ سے پوچھا۔

کیا تم اس کو ایسی جگہ کھانے میں کامیاب ہو گئے جہاں تمھیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو؟

عبداللہ نے جواب دیا ''الحمدللہ ابا جان.....! میں نے وہ سیب ایک درخت کے پیچھے جا کر کھایا وہاں مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔''

پھر عبدالرحمٰن نے اپنے دوسرے بیٹے سے پوچھا ''یوسف! تم بتاؤ تم نے کیا کیا؟''

یوسف نے کہا! ابا جان میں نے وہ سیب کمرے میں بند ہو کر اندھیرا کر کے کھایا اور مجھے یقین ہے کہ وہاں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔

عبدالرحمٰن نے تیسرے بیٹے سے پوچھا سلیم! تم نے کیا کیا؟''

سلیم نے کہا ابا جان میں نے کتاب اسمائے حسنیٰ میں پڑھا ہے اللہ کا ایک نام ہے ''البصیر'' ہر ایک کو ہر حال میں دیکھنے والا میں نے بہت سوچا اور تلاش کیا لیکن مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں میرا اللہ مجھے نہ دیکھ رہا ہو اللہ تو ہر جگہ دیکھتے ہیں اس لئے میں یہ سیب نہ کھا سکا۔

عبدالرحمٰن اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کی عقلمندی پر بہت خوش ہوا اور

اس کو انعام دیا۔ پھر عبدالرحمن نے اپنے بیٹوں سے کہا.......

میرے پیارے بیٹو......! بے شک اللہ ہم سب کو ہر وقت ہر جگہ دیکھتا ہے ہماری باتوں کو سنتا ہے اور جو خیالات ہمارے دل میں آتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔ وہ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصَّدُوْرِ ، یعنی دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو بھی جانتا ہے۔

اللہ کی نافرمانی سے ہر وقت بچو اور اللہ کے سارے احکامات پر عمل کرو جس پر اللہ تم سے راضی ہو جائے گا اور تمہیں دنیا میں راحت....سکون.... اطمینان....عطا کرے گا اور مرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کرے گا جہاں انسان جو چاہے گا وہ ہو جائے گا، انسان کے دل میں جو چاہت ہوگی وہ پوری ہو جائے گی، جنت میں ہم ایک پرندہ دیکھیں گے اسکے کھانے کا جی چاہے گا تو فوراً بھن کر پلیٹ میں آجائے گا، پھر اس کی ہڈیوں پر اللہ دوبارہ گوشت اور پر اگا دینگے اور وہ اڑ جائے گا تو وہاں جنت میں مزے ہی مزے ہونگے۔

چھوٹے چھوٹے دانے

کسی جنگل میں ایک ننھی چیونٹی اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی تھی۔

ننھی چیونٹی کی ماں جب تک صحت مند تھی اپنے اور ننھی چیونٹی کے لئے مزے دار دانے لاتی، لیکن جب اس کی ماں بیمار اور بوڑھی ہوگئی تو دانہ لانے کی ذمے داری ننھی چیونٹی پر آپڑی۔

اس کی ماں نے اسے سمجھایا تھا کہ برسات سے پہلے پہلے بہت سا دانہ جمع کرنا ضروری ہے تاکہ سردیوں میں آرام رہے اور خوراکِ بھی آسانی سے ملتی رہے۔ ننھی نے پہلے دن بہت محنت کی اور بہت دور سے چند دانے گھر تک لے جاسکی۔ پھر اور دانے لانے سے انکار کردیا۔

اس کی ماں نے فکرمند لہجے میں کہا

''ننھی! صرف ان چند دانوں سے تو کچھ نہ ہوگا۔ آخر ہم سردیوں میں اپنا پیٹ کیسے بھریں گے۔ اس وقت خوراک بالکل غائب ہوگی۔''

ننھی نے کہا'' یہ بہت مشکل کام ہے۔ میں تو صرف چند دانے لاسکتی ہوں۔ اس سے زیادہ نہیں۔'' یہ کہہ کر ننھی سوگئی۔

اگلے دن وہ پھر دانوں کی تلاش میں نکل پڑی۔ اس نے سوچا کہ میں

اب بڑے بڑے دانے اپنے گھر میں جمع کروں گی۔ اسے ایک درخت کے قریب بہت سی چیونٹیاں جاتی نظر آئیں۔ جب وہ درخت کے قریب پہنچی تو وہاں روٹی کے بے شمار ٹکڑے پڑے تھے۔

اس نے دیکھا کہ جو چیونٹیاں چھوٹی ہیں وہ بڑی تیزی سے چھوٹے چھوٹے دانے منہ میں اٹھائے لے جارہی ہیں۔ جبکہ بڑے چیونٹے بڑے بڑے دانے منہ میں دبائے جارہے تھے۔ اس نے ایک بڑا سا دانہ منہ میں پکڑا اور چل پڑی، لیکن ابھی چند قدم چلی تھی کہ تھک گئی۔

اس دوران ایک بوڑھی چیونٹی کی نظر ننھی پر پڑی اس نے کہا: ''بھئی ننھی کیا بات ہے؟'' اس نے سارا قصہ سنایا۔ بڑی خالہ ہنس پڑیں۔ بڑی خالہ ننھی چیونٹی کو ایک درخت کے قریب لے گئے جہاں ٹھنڈی چھاؤں تھی۔

بڑی خالہ نے چھوٹی چیونٹیوں کی طرف اشارہ کیا ''تم بھی ان کی طرح پھرتی سے کام کرو اور چھوٹے دانے گھر لے جاؤ بڑے دانے تم نہیں لے جاسکتیں۔''

اچھا دیکھو ننھی! تم چھوٹے دانے میرے گھر پہنچاؤ اور میں بڑے بڑے دانے تمھارے گھر لے کر چلتی ہوں، لیکن ایک شرط ہے۔''

''خالہ! مجھے ہر شرط منظور ہے'' ننھی خوش ہو کر بولی۔

''تم ہر روز تین گھنٹے کام کرو گی۔'' خالہ جان نے شرط بتائی تو ننھی نے

فوراً کہا کہ اسے یہ شرط منظور ہے۔

دن گزرتے گئے چیونٹی پابندی سے روزانہ چھوٹے چھوٹے دانے خالہ جان کے گھر جمع کرتی اور خالہ جان بڑے بڑے دانے ننھی کے گھر لے جاتے۔

ننھی کی ماں خالہ جان سے بہت خوش تھیں کہ خوراک جمع کرنے میں مدد کر رہے ہیں۔ جب ننھی ذرا آرام کرتی تو خالہ جان فوراً اسے اٹھنے اور پابندی کرنے کی تاکید کرتیں۔

''ننھی! بس اب دانے جمع کرنا بند کر دو۔'' ایک دن خالہ جان نے ننھی سے کہا۔ ''خالہ جان! میں کچھ دانے اور جمع کرنا چاہتی ہوں۔'' ننھی نے جواب دیا۔ اصل میں ننھی چاہتی تھی کہ خالہ جان بڑے بڑے دانے اس کے گھر جمع کرتی رہیں۔ ''بس ننھی! خوراک بہت زیادہ جمع ہو گئی ہے۔ اتنی کافی ہے۔'' خالہ جان نے ننھی کو سمجھایا تو اس نے بات مان لی۔ پھر ننھی اور خالہ جان اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

دن گزرتے رہے۔ ننھی کے ہاں بہت سی خوراک جمع تھی۔ خوراک کے بڑے بڑے دانے دیکھ کر ننھی خالہ جان کی شکر گزار تھی۔ ایک دن جب سردیاں زوروں پر تھیں۔ سب جانور اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔ کہ اچانک ننھی کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ننھی نے دروازہ کھولا تو خوشی

سے اسکی چیخ نکل گئی۔مہربان خالہ جان سامنے کھڑے تھے۔

ننھی نے جلدی سے انھیں اندر بلالیا اور ان کی خوب خاطر کی۔اس کی ماں بھی خالہ جان کی بہت شکرگزار تھیں۔

''خالہ جان! آپ کی بہت بہت مہربانی!'' ننھی نے خالہ جان سے کہا۔

''کیوں ننھی! کس بات کی مہربانی؟'' خالہ جان حیرت سے بولیں۔

''خالہ جان! آپ نے یہ اتنی ساری خوراک جو ہمیں دی۔'' ننھی نے خوراک کے بڑے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا! خالہ جان نے قہقہہ لگا کر کہا'' لیکن تم نے وہ خوراک تو دیکھی ہی نہیں جو میں نے گودام میں جمع کی ہے، جو تم لائی تھیں۔''

''خالہ جان! وہ تو چھوٹے چھوٹے دانے تھے۔ان کے مقابلے میں ان بڑے دانوں کا کیا مقام ہے۔''

''خود دیکھو گی تو پتا چلے گا کہ کس کی خوراک زیادہ ہے۔وہ جو تم نے جمع کی تھی یا یہ بڑے بڑے دانے جو میں نے تمھارے گھر میں جمع کیئے ہی۔'' خالہ جان نے کہا اور اس کی ماں سے اجازت لی کہ وہ ننھی کو اپنے گھر لے جارہے ہیں تاکہ اسے خوراک دکھا سکیں۔اس کی ماں نے اجازت دے دی اور خالہ جان ننھی کو لےکر اپنے گھر روانہ ہوگئیں۔

''ارے خالہ جان!'' ننھی کے منہ سے حیرت کے مارے چیخ نکل گئی۔ ''کیوں ننھی! دیکھا تم نے کتنی خوراک جمع کی ہے۔اب بتاؤ وہ خوراک زیادہ تھی یا یہ چھوٹے چھوٹے دانے!'' خالہ جان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔''خالہ جان! میں ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ میں اتنی ساری خوراک جمع نہیں کرسکتی۔'' اس نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔

''دیکھو ننھی!'' خالہ جان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا'' یہ سب خوراک تم نے جمع کی تھی۔ یہ اس لئے بہت زیادہ ہے کہ تم نے ایک مہینے میں ہر روز بہت محنت اور ایمان داری سے کام کیا۔

تم نے کام کے دوران ایک لمحہ بھی آرام نہیں کیا۔ تم نے کام بڑی باقاعدگی سے مسلسل کیا۔ یہ اس کا کمال ہے۔ یاد رکھو! محنت اور کام کو باقاعدگی سے کرنے میں ہی کامیابی ہے۔ اتنی بڑی کامیابی کہ تم حیران ہو جاؤ گی۔ اتنی حیران جتنی کہ تم اب ہو رہی ہو۔''

پھر خالہ جان نے ننھی کو اس ڈھیر میں سے کچھ خوراک اور دے دی۔ وہی ننھے اور چھوٹے چھوٹے دانوں پر مشتمل خوراک۔ ننھی نے خالہ سے کہا۔

جزاكِ اللّٰهُ خَيْرًا

''اللہ آپ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے''

ایک تھی مانو

ایک تھی مانو بلّی، جو کسی کی چہیتی یا لاڈلی نہ تھی۔

اس نے شہر کے ایک کباڑ خانے میں آنکھ کھولی اور پھر اپنی ماں اور دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ مختلف جگہوں کی تبدیلی کے بعد ایک قصاب کی دکان کے پاس گندے نالے پر رہنے لگی۔

وہ ذرا بڑی ہوئی تو ایک دن اس کی بہن رانو بلی کو ایک بہت پیاری سی بچی ایک بڑی سی گاڑی میں بٹھا کر لے گئی اور اس کا بھائی شانی بلّا ایک خون خوار کتے کے ہاتھوں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

وہ ذرا بڑی ہوئی تو اس کی ماں اسے چھوڑ کر چلی گئی۔

مانو بلی کئی بار اپنی ماں کے پاس گئی کہ شاید اسے پہچان لے، لیکن وہ اسے ہمیشہ اجنبی بن کر ملتی اور مار پیٹ کر بھگا دیتی۔

مانو بلی نے بھی آہستہ آہستہ اپنی ماں کو بھلا دیا اور یوں ہی گلیوں میں آوارہ پھرنے لگی۔

ایک دن اچانک اس نے اپنی بہن رانو بلی کو دیکھا جو ایک بہت بڑے سے لان میں گھاس پر بیٹھی دودھ پی رہی تھی۔

مانو بلی فوراً آگے بڑھی اور اسے پکارا لیکن اس نے بھی بہن کو پہچاننے سے انکار کر دیا اور اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔

مانو بلی کا دل ٹوٹ گیا۔ وہ باہر نکلی تو ایک نہایت گندے بچے نے نشانہ لے کر ایک پتھر اسے دے مارا۔ پتھر اس کی ٹانگ پر لگا اور وہ لنگڑا کر گر پڑی۔

بچے کے ساتھی اس کے اس سنہری کارنامے پر قہقہے لگانے لگے۔

مانو بلی بڑی مشکل سے اٹھی اور اپنی زخمی ٹانگ کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی کہ کہیں باقی بچے بھی پتھر لے کر اس پر اپنا نشانہ نہ آزمانے لگیں۔

اسے انسانوں پر غصہ آنے لگا کہ وہ کس دیدہ دلیری سے ہم جیسے معصوم جانوروں پر ظلم کرتے ہیں اور انھیں کوئی کچھ نہیں کہتا۔

وہ اپنی زخمی ٹانگ کے ساتھ ایک گھر میں داخل ہوئی تو وہاں ایک مہربان بچے سے اس کا واسطہ پڑا۔

بچے کو اس کی حالت پر بہت ترس آیا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے لئے ایک پیالے میں دودھ لے آیا۔

مانو بلی پہلے تو جھجکی اسے بھوک بھی زوروں کی لگی ہوئی تھی۔

اس نے بچے کی طرف دیکھا جو دور جا کھڑا ہوا تھا۔ مانو بلی نے تھوڑا سا دودھ پیا تو اس کی بھوک اور زیادہ جاگ اٹھی۔ اس نے جلد ہی سارا دودھ پی لیا اور لیٹ گئی۔

بچہ اسے پچکارتا ہوا آگے بڑھا اور بڑے مہربان ہاتھوں سے اس کی زخمی ٹانگ ٹٹولی۔

پھر وہ اندر چلا گیا تو مانو بلی نے بھاگنے کا سوچا، مگر اپنے اس نئے مہربان دوست کو چھوڑنے کو اس کا جی نہ چاہا۔

آخر بچہ آیا تو اس کے ہاتھ میں مرہم پٹی تھی۔ مرہم پٹی ہونے کے بعد مانو بلی کو کچھ سکون ہوا تو وہ سوگئی۔

اگلے دن بچہ اسے اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ اس کے والدین بھی مانو بلی کو مہربان اور اچھے معلوم ہوئے۔ چنانچہ جلد ہی وہ اس گھر میں گھر کے ایک فرد کی طرح رہنے لگی۔

مہربان بچہ اسے لے کر باہر جاتا، اس کے لئے اس کی پسندیدہ غذائیں لاتا۔ اسے صاف ستھرا رکھتا۔

مانو بلی کا دل وہاں لگ گیا۔ ان سب کی مہربانیوں کا صلہ اس نے یہ دیا کہ اس گھر میں سے تمام چوہوں کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

لال بیگ اور دوسرے کیڑے مکوڑے بھی اس نے ختم کر ڈالے۔ جب وہ آئی تھی چوہوں کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ ان کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوتا۔ مانو بلی جھٹ انھیں پکڑ لیتی اور کھا جاتی۔

اچھا کھانا، آرام اور سب کی توجہ ملنے لگی تو مانو بلی آہستہ آہستہ کام چور ہونے لگی۔ کھا پی کر وہ سارا دن اور رات سوتی رہتی۔ اکثر چوری چھپے دودھ بھی پی لیتی۔ کبھی دوسری چیزیں بھی چپکے سے ہڑپ کر جاتی۔ زیادہ کھانے کی وجہ سے مانو بلی بہت موٹی ہوگئی۔ چلنا پھرنا اس کے لئے دوبھر ہوگیا۔

ایک روز چوہوں نے باورچی خانے پر ہلّا بولا تو مانو بلی ان کے پیچھے دوڑی، مگر جلد ہی تھک گئی۔

چوہے بھی مانو بلی کی کمزوری جان گئے تھے۔ وہ ہر روز ادھر ادھر پھرتے اور مانو بلی انھیں پکڑ نہ پاتی، کیوں کہ وہ بہت موٹی ہوگئی تھی۔ دوڑنے سے اس کا سانس پھول جاتا اور وہ تھک جاتی۔

ایک دن اس نے گھر والوں کو کہتے سنا کہ مانو بلی کو واپس چھوڑ دینا چاہیے، کیوں کہ یہ کسی کام کی نہیں رہی۔ اتنا سن کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ اسے اپنی آوارہ گردی اور غریبی کے دن یاد آ گئے۔ اسے انسانوں کی خودغرضی پر غصہ آیا، لیکن قصور اس کا اپنا بھی تھا۔

چنانچہ اگلے دن سے اس نے زیادہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور باقاعدگی سے روزانہ دوڑنا بھاگنا، ورزش کرنا شروع کر دی۔

سستی کاہلی چھوڑ کر کام کو اپنا لیا اور پھر جلد ہی وہ دوبارہ چوہوں کے لئے خطرے کا نشان اور گھر والوں کی آنکھ کا تارا بن گئی۔

پیاسا کوّا

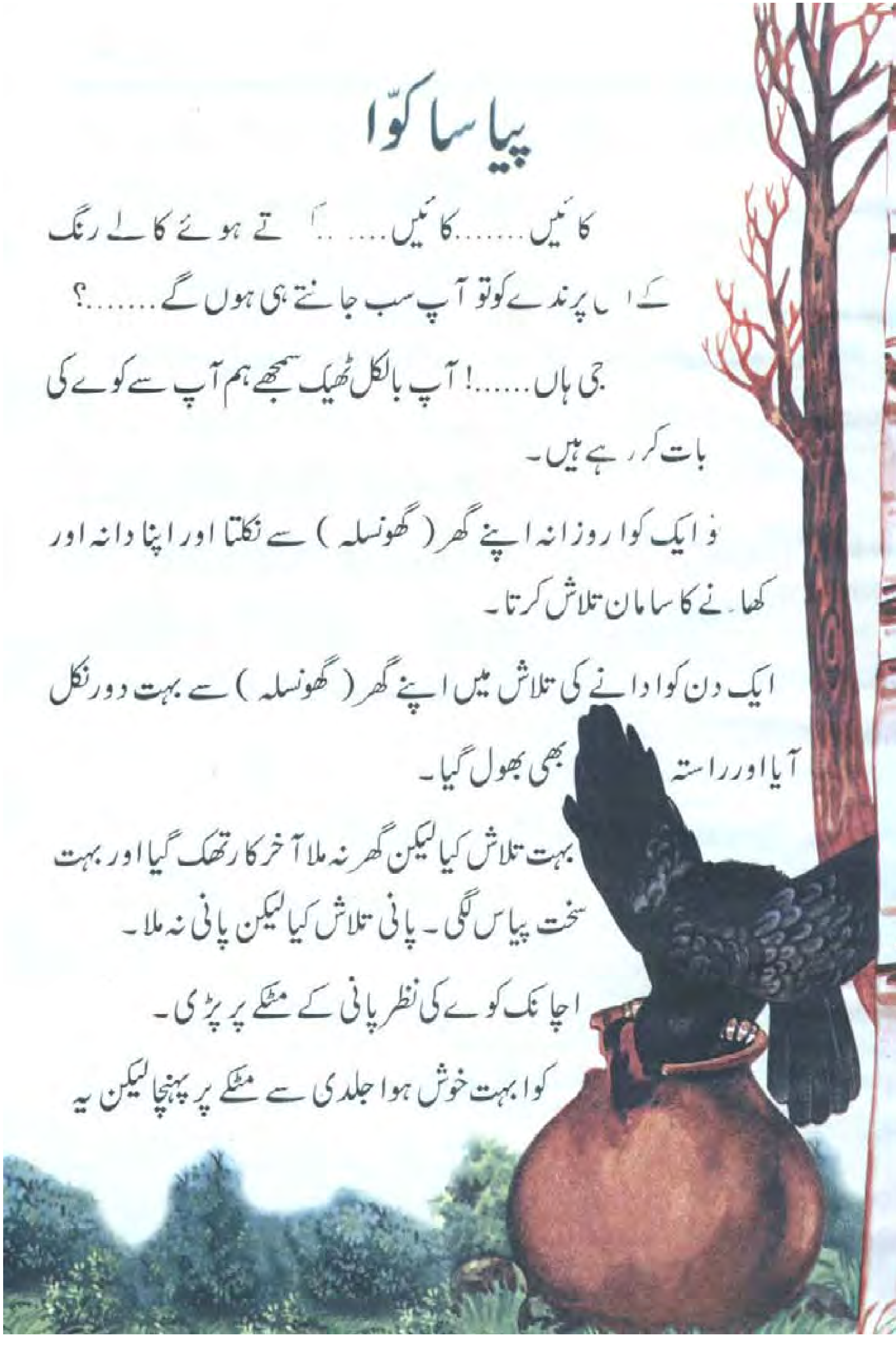
کائیں.......کائیں..... .. تے ہوئے کالے رنگ
کے ا ں پرندے کوتو آپ سب جانتے ہی ہوں گے.......؟

جی ہاں......! آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہم آپ سے کوے کی
بات کر رہے ہیں۔

ؤ ایک کوا روزانہ اپنے گھر (گھونسلہ) سے نکلتا اور اپنا دانہ اور
کھا ۔نے کا سامان تلاش کرتا۔

ایک دن کوا دانے کی تلاش میں اپنے گھر (گھونسلہ) سے بہت دور نکل
آیا اور راستہ بھی بھول گیا۔

بہت تلاش کیا لیکن گھر نہ ملا آخر کار تھک گیا اور بہت
سخت پیاس لگی۔ پانی تلاش کیا لیکن پانی نہ ملا۔
اچانک کوے کی نظر پانی کے مٹکے پر پڑی۔
کوا بہت خوش ہوا جلدی سے مٹکے پر پہنچا لیکن یہ



دیکھ کر پریشان ہوگیا کہ مٹکے میں پانی بہت ہی کم ہے اور اس کی چونچ پانی تک نہیں پہنچ رہی جس کی وجہ سے وہ پانی نہیں پی سکتا۔

اس نے سوچنا شروع کیا۔ آخر اللہ پاک نے اس کو ایک ترکیب سجھا دی۔

وہ جلدی سے اڑا اور بہت سارے کنکر جمع کئے اور ان کو مٹکے میں ڈالنا شروع کیا جیسے جیسے کنکر مٹکے میں جاتے پانی اوپر آتا چلا گیا۔ کوّے نے اب اپنی چونچ مٹکے میں ڈالی تو وہ پانی تک پہنچ گئی۔

کوّا بہت خوش ہوا، اس نے جی بھر کر پانی پیا۔ کوے نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے گھر کی تلاش کو چل دیا۔

اسکول

آج عبداللہ بہت خوش تھا کیونکہ آج اس کے بیٹے حذیفہ کا اسکول میں پہلا دن تھا۔عبداللہ دن بھر رکشہ چلاتا اور جو کماتا اس سے گھر والے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے زندگی گزارتے۔

عبداللہ اَن پڑھ تھا اسے پڑھنا لکھنا بالکل بھی نہیں آتا تھا اسی وجہ سے وہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا تعلیم حاصل کرے اور علم کے ذریعے پوری دنیا میں دین زندہ کرے۔عبداللہ نے سب سے پہلے مسجد کے امام صاحب سے (جو عالم دین تھے) مشورہ کیا کہ عبداللہ کی تعلیم وتربیت کس طرح کی جائے۔

امام صاحب نے عبداللہ کو مشورہ دیا کہ سب سے پہلے حذیفہ بیٹے کو کسی اچھے دینی ماحول والے اسکول میں داخلہ دلوادو پھر کچھ عرصہ بعد جب حذیفہ بیٹا اچھی طرح پڑھنا لکھنا سیکھ لے تو اسے کسی اچھے مدرسہ میں حفظ (قرآن یاد) کروادیا جائے۔

عبداللہ کو امام صاحب کی باتیں بہت اچھی لگیں وہ امام صاحب سے اجازت لے کر گھر آیا اور حذیفہ کی والدہ کو امام صاحب کی کہی ہوئی باتیں بتائیں۔حذیفہ کی والدہ ایک سمجھدار خاتون تھیں وہ بھی ان باتوں پر عمل کرنے کیلئے فوراً تیار ہوگئیں۔

عبداللہ گھر کے قریب موجود اسکول گیا اور حذیفہ کا داخلہ اسکول میں کروادیا۔ آج حذیفہ کا اسکول جانے کا پہلا دن تھا۔

ایسے لگ رہا تھا کہ عبداللہ کے گھر میں عید آگئی ہے سب گھر والے خوش تھے کہ آج حذیفہ اسکول جائے گا۔ حذیفہ کو اسکول کی نئی وردی (یونیفارم) پہنائی گئی۔

امی نے جلدی سے لنچ بکس میں حذیفہ کا پسندیدہ کھانا رکھ دیا اور حذیفہ کو پیار سے سمجھایا کہ دیکھو بیٹا! جب کھانے کا وقفہ ہو تو ہاتھ دھو کر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر سیدھے ہاتھ سے کھانا کھانا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلانا۔

حذیفہ میاں اپنے ابا جان کے رکشہ میں بیٹھ کر اسکول پہنچے۔

لیکن یہ کیا......؟ جیسے ہی عبداللہ حذیفہ کو اسکول چھوڑ کر واپس آنے لگا حذیفہ نے رونا شروع کر دیا اور اس زور سے رونا شروع کیا کہ عبداللہ کو اُسے واپس گھر لانا پڑا۔

گھر آکر عبداللہ نے حذیفہ کو بہت سمجھایا اور علم حاصل کرنے کے فضائل (فائدے سنائے) سنائے لیکن حذیفہ میاں نہ مانے اور اسکول جانے کیلئے بالکل تیار نہ تھے۔

اب تو عبداللہ بہت پریشان ہوا اور حذیفہ کی والدہ سے مشورہ کیا۔

انھوں نے عبداللہ کو سمجھایا کہ بچہ ہے کچھ دنوں میں سب ٹھیک ہو جائے

گا آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اللہ سے دعا کریں۔عبداللہ نے ایسا ہی کیا۔وہ روزانہ ہر فرض نماز کے بعد حذیفہ کیلئے دعا کرتا۔

حذیفہ میاں اپنی مستی میں مگن تھے، وہ دن کو باہر نکلتے دوستوں میں کھیلتے اور شام کو گھر آکر کھانا کھا کر سو جاتے۔ایک دن حذیفہ اپنی عادت کے مطابق شام کے وقت کھیل کے میدان پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ انکا کوئی دوست بھی کھیلنے نہیں آیا۔وہ بہت پریشان ہوئے اور کچھ دیر دوستوں کا انتظار کرنے کے بعد گھر واپس آگئے۔دوسرے دن بھی یہی ہوا یہاں تک کہ پورا ہفتہ گزر گیا۔اب حذیفہ نے بھی گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔

ایک ہفتہ کے بعد حذیفہ کے دروازے پر کسی نے دستک دی حذیفہ نے دروازہ کھولا تو اسکے سارے دوست کھڑے تھے وہ حذیفہ کو کھیلنے کیلئے بلانے آئے تھے۔

حذیفہ نے ان سے پورا ہفتہ غائب رہنے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے اسکول میں امتحانات ہو رہے تھے اس لئے ہم پڑھائی کر رہے تھے اب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمارے امتحانات ختم ہو گئے ہیں تو ہم تمہیں کھیلنے کیلئے بلانے آئے ہیں۔حذیفہ ان کی باتیں سن کر حیران رہ گیا، اس نے امتحان کا لفظ پہلی مرتبہ سنا تھا اسے نہیں پتا تھا کہ امتحان کیا ہوتا ہے۔

دوستوں کے سامنے تو اس نے کچھ نہیں کہا خاموشی سے ان کے ساتھ کھیلنے

چلا گیا لیکن جب شام کو وہ کھیل کر گھر واپس آیا تو رات کے کھانے پر اس نے عبداللہ سے پوچھا کہ ''ابو جان یہ امتحان کیا ہوتا ہے''

عبداللہ نے کہا کہ بیٹا جو بچے اسکول میں پڑھتے ہیں انکی پڑھائی کا سال گزرنے پر ان سے اس پڑھائی کے متعلق سوالات کئے جاتے ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ کس بچے نے اپنا سبق اچھی طرح یاد کیا ہے۔ سب سے اچھی طرح سبق یاد کرنے والے بچوں کو اچھے اچھے تحفے دیئے جاتے ہیں اور گھر والے بھی خوش ہو کر ان کو انعامات دیتے ہیں۔

تحفوں اور انعامات کا سن کر حذیفہ کے منہ میں پانی آگیا اس نے اپنے ابو سے کہا۔''ابو ابو! کیا مجھے بھی انعامات مل سکتے ہیں۔''

عبداللہ نے کہا کیوں نہیں اگر تم اسکول جاؤ اور دل لگا کر پڑھو تو تمہیں بھی اِنعامات ملیں گے اور تمہارے امی ابو بھی خوش ہونگے اور جب کسی بچے سے اسکے امی ابو خوش ہوں تو اس سے اللہ بھی خوش ہوتے ہیں اور ہر کام میں اس کی مدد کرتے ہیں۔

اب حذیفہ کو بہت افسوس ہوا کہ اس نے اپنے امی ابو کا دل دکھایا اور انکی بات نہ مانی اس نے اپنے امی ابو سے معافی مانگی اور ان سے وعدہ کیا کہ اب وہ ہمیشہ انکی بات مانے گا اور کبھی بھی ان کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

دوستو! امی ابو ہمیشہ ہماری اچھائی ہی سوچتے ہیں، انکی چاہت ہوتی ہے

کہ ان کا بیٹا/بیٹی دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جائے اس لئے کبھی بھی ان کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے اور اگر کسی بات پر امی ابو ناراض ہو جائیں تو فوراً معافی مانگنی چاہیئے۔ کیونکہ جس سے اس کے امی ابو ناراض ہوتے ہیں اس سے اللہ بھی ناراض ہو جاتے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

سُخْطُ الرَّبِّ فِيْ سُخْطِ الوَالِدَيْنِ. (مشکوٰۃ شریف صفحہ۴۹۲)

یعنی، والدین کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

سوالات

دوستو......! ان سوالات کا جواب کتاب ہی میں اسٹیکرز کی صورت میں موجود ہے آپ مطلوبہ جواب کا اسٹیکر سوال کے نیچے دی ہوئی خالی جگہ پر چپکا یئے۔

سوال نمبر ۱ : ہم دن میں کتنی مرتبہ نماز پڑھتے ہیں؟

جواب:

سوال نمبر ۲ : کس مہینے میں روزے رکھنا ضروری ہیں؟

جواب:

سوال نمبر ۳ : ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام کیا تھا؟

سوال نمبر ۴ : ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام کیا تھا؟

جواب :

سوال نمبر ۵ : ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس شہر میں پیدا ہوئے؟

جواب :

کیسا چالاک

آپ نے بہت سے جانوروں کے قصے اور معلومات سنی ہوں گی لیکن آج آپ کو ایک عجیب جانور کا حال سناتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلومات بھی ہوں تو بہتر ہے۔

تو سنیے! یہ ایک دبلا پتلا جانور ہے۔ یہ چوہوں، سانپوں اور مگرمچھوں کا دشمن ہے۔

مگرمچھ عموماً اپنا منہ کھولے رکھتا ہے اور یہ اس کے منہ میں گھس کر اس کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے اور اس کی آنتیں کاٹ دیتا ہے، پھر باہر نکل آتا ہے۔

ہاں تو پھر آپ انتظار میں ہوں گے کہ آخر یہ ہے کون سا جانور.....تو لیجیے! یہ جانور نیولا ہے، نیولا بہت ہوشیار جانور ہے۔

ایک دفعہ ایک نیولا چوہے کا شکار کرنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا، چوہا اپنی جان بچانے کے لئے ایک درخت پر چڑھ گیا، مگر نیولے نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس کو پکڑنے کے لئے وہ بھی درخت پر چڑھ گیا۔ یہاں تک کہ چوہا درخت کی چوٹی پر چڑھ گیا۔

جب اس کو بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ملا تو وہ ایک شاخ کا پتہ منہ میں دبا کر

لٹک گیا۔ نیولے نے جب چوہے کی یہ چالاکی دیکھی تو اس نے اپنی مادہ کو آواز دی۔

مادہ اس کی آواز سن کر درخت کے نیچے آئی تو نیولے نے اس شاخ کو جس پر چوہا لٹکا ہوا تھا، کاٹ دیا۔ شاخ کے کٹنے سے چوہا نیچے گرا، گرتے ہی مادہ نے اس کو شکار کرلیا۔

نیولا چور بھی ہوتا ہے، جب اس کو سونے چاندی کی کوئی چیز ملتی ہے تو اس کو اٹھا کر اپنے بل میں لے جاتا ہے۔ چوری کرنے کی عادت کے ساتھ ساتھ یہ ذہین بھی بہت ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے نیولے کا ایک بچہ پکڑا اور اس کو پنجرے میں بند کر کے ایک ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے اس کی ماں اس کو دیکھ سکے۔

اس ماں نے اپنے بچے کو پنجرے میں بند دیکھا تو بل میں گئی اور ایک دینار (سونے کے سکہ) لے آئی اور اس کو پنجرے کے پاس رکھ دیا۔ گویا یہ اس بچے کی رہائی کا فدیہ تھا اور رہائی کا انتظار کرنے لگی۔

مگر اس شخص نے پنجرہ نہیں کھولا۔ کچھ دیر انتظار کر کے نیولے کی ماں اپنے بل میں گئی اور ایک دوسرا دینار لا کر پہلے دینار کے برابر رکھ دیا اور پھر انتظار کرنے لگی۔

مگر جب اس کا بچہ رہا نہ ہوا...تو پھر اپنے بل میں گئی اور ایک تیسرا دینار لا کر پہلے دو دینار کے برابر رکھ دیا غرض اسی طرح اس نے پانچ دینار لا کر جمع کر دیئے۔

مگر اس پر بھی اس کا بچہ رہا نہ ہوا تو پھر وہ اپنے بل میں گئی اور ایک خالی تھیلی لا کر ان پانچوں دیناروں کے پاس رکھ دی۔

کچھ دیر انتظار کرتی رہی پھر بھی شکاری نے پنجرہ نہیں کھولا تو دیناروں کی طرف لپکی۔

یہ دیکھ کر شکاری نے تیزی سے جا کر ان پر قبضہ کر لیا اور پنجرہ کھول کر اس کے بچے کو رہا کر دیا۔

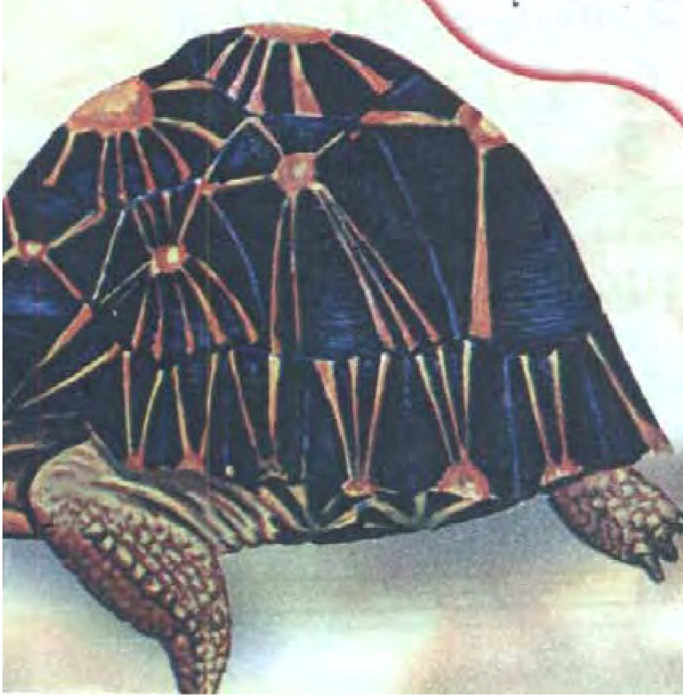
کچھوا اور خرگوش

ایک کچھوے اور خرگوش کی دوستی ہو گئی دونوں ایک ساتھ کھیلتے گھومتے پھرتے۔

ان کو معلوم تھا کہ لڑائی اچھی بات نہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی ان کی آپس میں لڑائی ہو جاتی۔

ہوتا یوں کہ دونوں راستے میں جا رہے ہوتے تو خرگوش تیز چلنے کی وجہ سے آگے نکل جاتا اور کچھوا اپنے بھاری جسم کی وجہ سے تیز نہ چل سکتا اور پیچھے رہ جاتا جس پر خرگوش اس کا مذاق اڑاتا آپ کو تو معلوم ہے کہ کسی کا مذاق اڑانا کتنی بری عادت ہے۔

آخر ایک دن کچھوے نے تنگ آکر خرگوش



سے کہا......دیکھو مجھے بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور تمہیں بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اس لئے تم اپنے تیز چلنے پر غرور مت کرو، اللہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تم کو اپنے تیز چلنے پر غرور ہے تو آؤ ہم دونوں مقابلہ کرتے ہیں۔خرگوش بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

مقابلہ شروع ہوتے ہی خرگوش تیزی سے آگے کی طرف بھاگا کافی دور نکل جانے کے بعد اس نے سوچا کہ کچھوا تو بہت دیر کے بعد یہاں پہنچے گا جب تک میں کچھ دیر آرام کرلوں یہ سوچ کر وہ ایک درخت کے نیچے سو گیا۔

ادھر کچھوا آہستہ......آہستہ......چلتا ہوا خرگوش کے پاس سے گزرا، خرگوش سو رہا تھا کچھوا ساری بات سمجھ گیا۔اس نے اپنی رفتار اور تیز کردی اور مقررہ جگہ تک پہنچ گیا۔

اب خرگوش اپنی نیند سے بیدار ہوا اور بھاگتا ہوا مقررہ جگہ تک پہنچا، جہاں کچھوا پہلے سے موجود تھا۔خرگوش کو بہت شرمندگی ہوئی اور اس نے غرور کرنے سے توبہ کرلی اور کچھوے سے معافی مانگی......کچھوے نے بھی اس کو معاف کردیا۔

دوستو! ہمیں بھی کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔ ہر ایک کو ہم اپنے سے بہتر سمجھیں گے تو کبھی ہماری کسی سے لڑائی نہیں ہوگی۔اور جو کسی کو تنگ کرنے کے لئے مذاق اُڑاتا ہے، تو مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کمزوری میں مبتلا کردیتے ہیں۔

بھائی جان کے جوتے

بھائی جان کا اصل نام تو بلال تھا مگر امی ابو انہیں منے میاں ہی کہہ کر پکارتے تھے ان کے دوست انہیں بلال کے نام سے جانتے تھے۔

میٹرک میں ہونے کی وجہ سے ان سے ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی جیسی گذشتہ تین مہینوں سے کر رہے تھے۔

بھائی جان مسلسل ہر ماہ اپنے جوتے گم کر رہے تھے۔

تیسری بار جب وہ جوتوں کے بغیر اسکول سے گھر آئے تو امی بے حد پریشان ہوئیں اور انہوں نے بھائی جان سے پوچھا۔

انہوں نے جو وجہ بتائی وہ امی سے مشکل ہی سے ہضم ہو پائی۔ رات کو سب ابو کے سامنے موجود تھے۔

''ہاں منے میاں! بتاؤ آج جوتے کہاں گئے؟'' ابو نے پوچھا۔

''ابو! میں نے امی کو بتا تو دیا ہے۔'' بھائی جان نے رونی صورت بنا کر جواب دیا۔

''مگر اس پر اعتبار کرنا تو مشکل ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسکول سے واپسی پر تم مسجد میں نماز پڑھنے گئے اور واپسی میں جوتے اپنی جگہ پر نہیں تھے۔ ہر بار جوتوں کے گم ہونے کی تم یہی وجہ بتاتے ہو۔

اس مسجد میں جہاں تم نماز پڑھتے ہو، میں بھی اکثر وہیں نماز پڑھتا ہوں مگر میرے تو کیا، کسی اور کے جوتے بھی وہاں گم نہیں ہوئے۔ منے میاں اصل بات بتاؤ، ہر بار ایک ہی بہانہ نہیں چلے گا۔"

"جی ابو... ابو... بھائی جان ہکلائے۔

ابو نے اس کے بعد کچھ نہ کہا اور پھر ہم سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے۔

دوسرے دن صبح ابو بھائی جان کے اسکول گئے اور پرنسپل صاحب سے مل کر انہیں ساری صورت حال بتائی۔

پرنسپل صاحب نے کلاس ٹیچر سلطان صاحب کو بھی اپنے کمرے میں بلایا اور انہیں بھی تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ سلطان صاحب نے اس بارے میں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

ابو مطمئن ہو کر وہاں سے دفتر چلے گئے۔ سلطان صاحب دوبارہ اپنی کلاس میں گئے تو انہوں نے خود بھائی جان کو اپنے پاس بلا کر بڑی آہستگی کے ساتھ جوتوں کے گم ہونے کے بارے میں پوچھا، مگر بھائی جان یہاں بھی بات گول کر گئے۔

دوسرے دن سلطان صاحب نے کسی خیال کے تحت ان تینوں بچوں کو اپنے پاس بلایا جنہیں کئی دنوں سے نئے جوتے پہن کر نہ آنے پر انہوں نے سزا دی تھی۔

ان تینوں کے والدین کی مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی، اس لئے وہ نئے جوتے خریدنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ یہ بات سلطان صاحب کو بھی معلوم تھی، مگر اسکول کا نظم وضبط قائم رکھنے اور بچوں کو صفائی کا پابند بنانے کے لیے انہوں نے ان بچوں کو سزا دینا ضروری سمجھا تھا۔

وہ تینوں مسلسل کئی دنوں سے پھٹے ہوئے جوتے پہن کر آرہے تھے۔ آج جب سلطان صاحب نے ان کے جوتے دیکھے تو وہ نئے معلوم ہوئے۔

انہوں نے ان تینوں کو پرنسپل صاحب کے کمرے میں بلا لیا اور نئے جوتوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ کچھ دیر بعد سلطان صاحب نے فون پر ابو کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا۔ ابو یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

رات کو کھانے کے بعد ابو کے کمرے میں بھائی جان کی حاضری تھی۔

ابو کے کمرے میں صرف انہیں ہی بلایا گیا تھا۔ جب وہ کمرے میں سلام کر کے داخل ہوئے تو ابو نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر ابو بولے:

''ہاں بھئی، منے میاں! تمہارے جوتوں کے تین جوڑوں کے گم ہونے کی اطلاع اور اصل حقیقت تو مجھے معلوم ہوگئی ہے۔'' ابو نے کہا اور کچھ دیر سانس لینے کے لیے رکے۔

''جی وہ ابو...'' بھائی جان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

''مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ پہلی بار جوتے گم ہونے کا بہانہ بنا کر تم نے اپنے کلاس فیلو عبدالعزیز کی مدد کی، کیونکہ وہ ٹیچر کے کہنے کے باوجود نئے جوتے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ دوسری بار یہی تجربہ تم نے اپنے دوسرے ساتھی مدثر کے لیے کیا اور اس بار یہ کام تم نے اپنے ایک اور ساتھی شاہد کے کیے کیا ہے۔'' ابو کچھ دیر رکے اور پھر کہا:

''بیٹا! مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے دوستوں اور ہم جماعت ساتھیوں کا اس قدر خیال رکھتے ہو، مگر اس میں ایک غلطی ہو گئی۔''

''وہ کیا ابو؟'' بھائی جان نے پوچھا۔

''تم نے اس سارے معاملے میں جھوٹ کا سہارا لیا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ تم مجھے اور اپنی امی کو اعتماد میں لیتے تو ہم تمہیں کبھی اس کام سے نہ روکتے۔ منے میاں! تم نے کتابوں میں پڑھا ہو گا کہ ہمارا مذہب اسلام ہم سے یہ چاہتا ہے کہ جو چیز ہمارے پاس ہماری ضرورت سے زائد ہے، اس پر دوسروں کا حق سمجھیں۔

آج ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ اس نے ہمیں اپنی ضرورتوں سے زیادہ عطا کیا ہے۔ اس لیے اپنے اطراف کے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔''

''جی ابو، میں آیندہ خیال رکھوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے بھائی جان کو ایسا

محسوس ہوا، جیسے ان کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا، پھر وہ اجازت لے کر کمرے سے باہر آ گئے۔

نیچے ہم سب ان کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ مجھے اور امی کو یہ ڈر تھا کہ کہیں جوتوں والے معاملے پر ابو بھائی جان کو سزا نہ دے رہے ہوں مگر بھائی جان کا پرسکون چہرہ دیکھ کر ہم خوش ہوئے اور اس خوشی میں اس وقت مزید اضافہ ہوا، جب بھائی جان نے جوتوں کے گم ہونے کی اصل حقیقت ہمیں بھی بتائی۔

یوں کئی دنوں سے زیر بحث رہنے والا جوتوں کا معاملہ بالآخر حل ہو گیا۔

اچھا لڑکا

احمد ایک بہت ہی پیارا لڑکا تھا وہ بڑوں کا کہنا مانتا اور ان کا ادب کرتا اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں سے بہت محبت کرتا تھا۔

احمد کے امی ابو اس سے بہت خوش تھے کیونکہ احمد ہر وقت ان کی خدمت کیلئے تیار رہتا۔ جب بھی امی یا ابو اس کو کسی کام کا کہتے، احمد سارے کاموں کو چھوڑ کر ان کے بتائے ہوئے کام کو پورا کرتا۔

ایک مرتبہ احمد کی امی بیمار ہوگئیں وہ بستر پر لیٹی ہوئیں تھیں انھوں نے احمد کو بلایا۔ بیٹا احمد.....! ادھر آؤ... احمد نے ادب سے کہا جی امی اور اپنی امی کے پاس آ کر ان کا ہاتھ چوما.....

امی نے کہا بیٹا گھر میں دودھ ختم ہوگیا ہے اور مجھے دودھ پینا ہے تم ذرا جلدی سے دودھ لے آؤ۔ احمد نے امی سے پیسے لئے اور گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ توکّلتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اور جلدی سے دودھ کی دکان پر پہنچا وہاں سے دودھ خریدا اور گھر واپس آیا۔ گھر آ کر احمد نے دودھ گرم کیا اور ایک گلاس میں بھر کر امی کو دودھ دینے کیلئے امی کے پاس آیا جیسے ہی وہ امی کے پاس پہنچا اس نے دیکھا کہ امی تو سو چکیں ہیں۔

احمد نے دل ہی دل میں سوچا کہ امی بیمار ہیں ان کو جگانا اچھی بات نہیں

لیکن اس کے ننھے سے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر امی جاگ گئیں اور ان کو دودھ کی ضرورت پڑی تو ان کو تکلیف ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے فیصلہ کیا کہ وہ دودھ لے کر امی کے پاس ہی بیٹھا رہے تاکہ اگر امی جاگ جائیں تو وہ ان کو دودھ پیش کرسکے۔

وہ کافی دیر تک بیٹھا رہا یہاں تک کے امی جاگ گئیں۔

امی نے احمد کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا تو کہا" بیٹا! تم یہاں کیا کررہے ہو؟" احمد نے کہا پیاری امی جان آپ نے مجھے دودھ لینے بھیجا تھا میں دودھ لے کر آیا تو آپ سوچکیں تھیں میں نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور بغیر آپ کو دودھ پلائے یہاں سے جانا بھی مجھے اچھا نہ لگا اس لئے میں یہیں بیٹھا رہا تاکہ جب آپ جاگ جائیں تو آپ کو یہ دودھ سے بھرا ہوا گلاس دے سکوں۔

احمد کی امی، احمد کی اس بات کو سن کر بے حد خوش ہوئیں اور احمد کو بہت زیادہ دعائیں دیں۔ اور دودھ کی دعا پڑھ کر دودھ پی لیا۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ

دوستو! ہم بھی اس بات کی کوشش کریں کہ امی ابو کی بات مانیں اور ان کے کاموں میں ان کی مدد کریں۔ تاکہ ہمارے امی ابو بھی خوش ہوکر ہمیں دعائیں دیں۔

گلوگلہری اور آچھوآچھو

ایک تھی گلہری اور ایک تھا اس کا بچہ۔ بچے کا نام تھا گلو۔ گلو تھا تو بڑا شرارتی مگر وہ ایسی شرارتیں نہیں کرتا تھا کہ جن سے کسی کو نقصان پہنچے اور اگر کبھی کوئی ایسی شرارت کر بیٹھتا تو معافی ضرور مانگ لیتا تھا۔

گلو کا گھر شیشم کے درخت پر بنا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک نہر بھی بہتی تھی۔ گاؤں سے شہر جانے والے بہت سے لوگ اس درخت کے نیچے آ کر رکتے' نہر کا ٹھنڈا پانی پیتے اور آگے چلے جاتے۔

گلو ان سب لوگوں کو دیکھا کرتا اور اگر کوئی مسافر اس درخت کی چھاؤں میں لیٹ کر سو جاتا تو گلو اس کے سامان کی تلاشی لیتا اور کھانے کی چیزیں نکال کر چپکے سے کھا جاتا۔ اگر پوری چیزیں نہ کھا سکتا تو چکھتا ضرور تھا۔

وہ اکثر سوچتا کہ یہ انسان اتنی اچھی اچھی اور مزے کی چیزیں کہاں سے لے آتے ہیں۔ مجھے تو جنگل میں ایک بھی درخت ایسا نہیں ملا جس پر گلاب جامن' رس گلے یا چاکلیٹ لٹک رہی ہو۔ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ یہ نعمت تو اللہ میاں نے صرف انسانوں ہی کو دی ہے کہ وہ گھر پر مزے مزے کی چیزیں بنا کر کھا سکیں۔

نہر کے پل سے گزرنے والے چند لوگ تو ایسے تھے کہ گلو ہر روز ان کو

دیکھا کرتا۔ ان میں ایک اماں مالن تھی جو باغ سے پھول چن کر شہر بیچنے جاتی تھی۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو گلو کو بہت پسند تھی۔

دوسرا بابا دارا تھا جو شہر سبزی بیچنے جاتا تھا اور واپسی پر شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھ کر چند منٹ آرام کرتا تھا۔

تیسرا اختر گوالا تھا جو دودھ لے کر شہر جاتا تھا۔ کبھی کبھار گلو اور اس کے ساتھی شرطیں لگا کر اختر کی سائیکل کے آگے سے گزرنے کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔

ایک روز گلو اپنے دوستوں کے ساتھ درخت پر پکڑم پکڑائی کھیل رہا تھا کہ اس کی نظر شہر سے آنے والے راستے پر پڑی ایک آدمی سائیکل کے پیچھے ایک بڑا سا ڈبہ رکھے آرہا تھا۔

گلو اور اس کے ساتھی کھیل چھوڑ کر اس آدمی کو دیکھنے لگے کیونکہ انہوں نے اس آدمی کو پہلے کبھی اس راستے پر نہیں دیکھا تھا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ سائیکل چلاتا ہوا شہر سے آرہا تھا۔

''یہ کون ہوسکتا ہے؟'' گلو نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مجھے پتا ہے یہ کون ہے؟'' گلو کا دوست بولا۔

''بتاؤ پھر'' گلو نے کہا۔

''یہ پھیری والا ہے اور شہر سے چیزیں بیچنے گاؤں آتا ہے''۔ دوست نے بتایا۔

''مگر تمہیں کیسے معلوم ہے؟'' گلو نے پوچھا۔

دوست نے کہا ''مجھے پتا ہے کیوں کہ اس کی سائیکل پر جو بڑا سا ڈبہ رکھا ہوا ہے۔ اس میں طرح طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ کل اس کے ڈبے سے ایک مونگ پھلی گری تھی جو میں نے چکھی تھی۔ بڑی مزے دار تھی''۔

''اچھا! اس کے ڈبے میں کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ آج پھر تلاشی لیں گے اس کی''۔ گلو نے خوش ہو کر کہا۔

سخت گرمی کا موسم تھا نہر پر پہنچ کر اس آدمی نے اپنی سائیکل شیشم کے درخت کے ساتھ کھڑی کر دی اور خود نہر پر پانی پینے چلا گیا۔ گلو تو پہلے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ فوراً ایک شاخ سے دوسری شاخ پر ہوتا ہوا نیچے کو دوڑا۔ اس کے دوست ذرا ڈرپوک تھے۔ وہ اوپر ہی بیٹھے رہے۔

اچانک گلو کا پاؤں پھسلا اور وہ دھڑام سے نیچے گرا مگر زمین پر گرنے کے بجائے وہ سائیکل والے ڈبے میں جا پڑا۔ وہ تو خوش تھا کہ مفت میں مونگ پھلیاں، اخروٹ اور دوسری چیزیں کھانے کو ملیں گی۔ مگر یہ کیا؟ دکان دار تو آج شہر سے صرف سرخ مرچیں لے کر آیا تھا۔

''آ! چھو......'' گلو نے ایک زور کی چھینک لی اور ڈبے سے باہر جا پڑا۔

''آچھو...... آچھو...... آچھو'' اور پھر تو گلو چھینکتا ہی چلا گیا۔ گلو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو بس منہ کھول کر چھینکتا اور دو فٹ پیچھے

جا گرتا اس کا یہ حال دیکھ کر اس کے دوست جو درخت پر بیٹھے تھے زور زور سے ہنسنے لگے اور اتنا ہنسے کہ بے قابو ہو کر سب درخت سے گرے اور مرچوں والے ڈبے میں جا پڑے، گلو کی طرح۔

اب تو سڑک پر ہر طرف آچھو.....آچھو ہو رہی تھی۔ سات گلہریاں سڑک پر چھینکتی پھر رہی تھیں۔

پھیری والا جب پانی پی کر واپس آیا تو اتنی ساری گلہریوں کو چھینکتے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اسے گلہریوں کا یہ تماشا بہت دلچسپ لگ رہا تھا۔ ہنس ہنس کر اس کے پیٹ میں درد ہونے لگا۔ ہنستے ہنستے اچانک دکان دار کا پاؤں پھسلا اور وہ بھی مرچوں والے ڈبے سے جا ٹکرایا۔ اس کی ناک میں بھی مرچیں گھس گئیں۔ اب پھیری والا بھی گلہریوں کے ساتھ چھینکیں مار رہا تھا۔

''آچھو....آچھو.......آچھو''۔ راستے پر بہت سے لوگ رک کر ان کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ چھینکوں کی آوازیں سن کر جنگل کے اور بھی بہت سے جانور درختوں سے سر نکال نکال کر ان کا تماشا دیکھ رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سڑک پر چھینکوں کا مقابلہ ہو رہا ہو۔

سوالات

دوستو......! ان سوالات کا جواب کتاب ہی میں اسٹیکرز کی صورت میں موجود ہے آپ مطلوبہ جواب کا اسٹیکر سوال کے نیچے دی ہوئی خالی جگہ پر چپکائیے۔

سوال نمبر ۶ : ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شہر کی طرف ہجرت کی؟

جواب:

سوال نمبر ۷ : ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کس شہر میں ہے؟

جواب:

سوال نمبر ۸ : مسلمان کس مہینے میں حج کیلئے بیت اللہ شریف جاتے ہیں؟

جواب:

سوال نمبر ۹ : کس مہینے میں تراویح پڑھی جاتی ہے؟

جواب :

سوال نمبر ۱۰: سال میں کتنی مرتبہ عید کی نماز پڑھی جاتی ہے؟

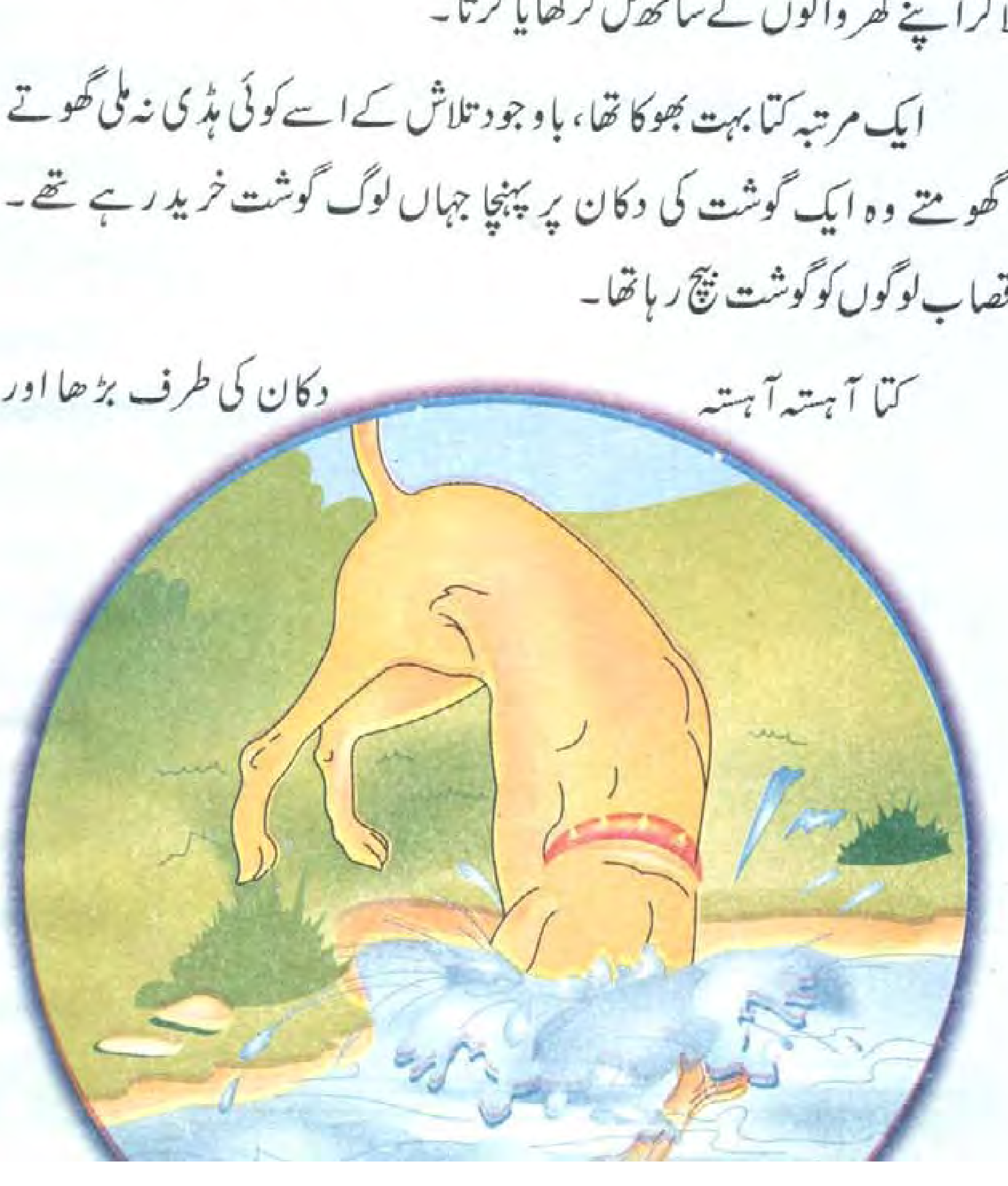
جواب :

لالچ بری بلا ہے

شہر کے قریب کسی گاؤں میں ایک کتا روزانہ صبح اپنی روزی کی تلاش میں گھر سے نکلتا تھا اور گوشت کی دکان کے باہر پڑی ہوئی ہڈیوں کو جمع کرتا اور گھر لاکر اپنے گھر والوں کے ساتھ مل کر کھایا کرتا۔

ایک مرتبہ کتا بہت بھوکا تھا، باوجود تلاش کے اسے کوئی ہڈی نہ ملی گھومتے گھومتے وہ ایک گوشت کی دکان پر پہنچا جہاں لوگ گوشت خرید رہے تھے۔ قصاب لوگوں کو گوشت بیچ رہا تھا۔

کتا آہستہ آہستہ دکان کی طرف بڑھا اور



قصاب سے نظر بچا کر ہڈی اٹھائی اور اپنے گھر کی طرف دوڑ لگائی۔قصاب نے کتے کی یہ حرکت دیکھی تو کتے کے پیچھے بھاگا اب تو کتا بہت گھبرایا اور تیزی سے دوڑنے لگا یہاں تک کہ وہ قصاب کی پہنچ سے بہت دور نکل گیا.....لیکن وہ بجائے اپنے گھر پہنچنے کے بے خیالی میں نہر کی طرف آ گیا۔

کتے نے ہڈی منہ میں دبائی ہوئی تھی۔اس نے نہر میں دیکھا تو اسے اپنا ہی عکس نظر آیا۔کتا سمجھا کہ پانی میں ایک اور کتا ہے جس کے پاس ہڈی بھی ہے لالچی کتے نے سوچا کہ کیوں نہ میں اس سے یہ ہڈی چھین لوں تو میرے پاس دو ہڈیاں ہو جائیں گی۔اس ارادے سے اس نے جیسے ہی بھونکنے کے لئے منہ کھولا تو اس کے منہ سے ہڈی پانی میں جا گری۔

اب اس نے دیکھا تو پانی میں موجود کتے کے منہ میں بھی ہڈی نہ تھی۔

اب اس کی سمجھ میں آیا کہ جسے وہ دوسرا کتا سمجھ رہا ہے حقیقت میں وہ اسی کا عکس تھا لیکن اب اس سمجھ کا کیا فائدہ۔لیکن اتنی بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ.........لالچ بری بلا ہے۔

لالچ کا پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اپنے پاس موجود نعمت بھی چھین لی جاتی ہے ہمیں کسی بچے کی گھڑی نظر آئے، کسی کی قلم نظر آئے تو اس کو للچاتی ہوئی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے اور نہ امی وابو سے ضد کر کے مانگنی چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جیسی بھی ہم کو قلم یا گھڑی دی ہے اس پر شکر ادا کرنا چاہے، وہاں اللہ تعالیٰ سے

ضرور اس سے بڑھیا نعمتیں مانگتے رہنا چاہے مگر لالچ سے بچتا رہنا چاہیے اب دعا کریں اللہ کسی بچے اور بچی کو لالچی نہ بنائے، لالچ کی بری عادت سے سب کی حفاظت فرمائے۔آمین

عقل مند کسان

ہم آپ کو ایک کسان کی کہانی سناتے ہیں۔کیا آپ کو معلوم ہے کہ کسان کسے کہتے ہیں؟

یہ تو آپ سب جانتے ہوں گے کہ اللہ پاک ہمارے لئے کھانے پینے کی ساری چیزیں چاول.... گندم.... دالیں ....وغیرہ اور سارے پھل سیب، آم وغیرہ زمین سے اگاتے ہیں۔زمین کو کھودا جاتا ہے اور اس میں بیج ڈالے جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس میں سے اناج اور پھل اُگاتے ہیں۔جو شخص زمین پر محنت کرتا ہے، اسے کھودتا ہے اور اس میں بیج ڈالتا ہے، اسے کسان کہتے ہیں۔

یہ کہانی بھی ایک کسان کی ہے اس کا نام احمد تھا۔احمد کے تین بیٹے تھے۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھے لیکن احمد ایک بات سے بہت پریشان تھا کہ اس کے بیٹے بہت سست اور کام چور تھے۔ وہ کام کاج میں بالکل اس کی مدد نہیں کرتے تھے۔

آخر بہت سوچنے کے بعد اس کے ذہن میں ترکیب آئی اس نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ پیارے بیٹو.....! ہماری زمین کے اندر خزانہ چھپا ہوا ہے اور میں اسے نکالنا چاہتا ہوں لیکن میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا۔

اس لئے اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم یہ کام مل کر کرلیں۔ سارے بیٹے خزانے کی تلاش پر راضی ہو گئے اور انہوں نے زمین کو کھودنا شروع کر دیا۔ لیکن ان کو خزانہ نہ ملا۔ انہیں یہ دیکھ بہت غصہ آیا کہ ان کے والد نے ان سے جھوٹ کہا......۔

انہوں نے اپنے والد سے شکایت کی تو ان کے والد نے کہا کہ میرے پیارے بیٹو......! میں جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں جھوٹ بولنا تو بہت بری اور گندی عادت ہے اور مسلمان تو کبھی جھوٹا نہیں ہوتا میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس میں خزانہ ہے تو میرے پیارے بیٹوں یہ جھوٹ نہیں بلکہ سچ ہے لیکن تم جلدی کر رہے اور جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔

تم وہ کرو جو میں تمھیں بتاتا ہوں یہ بیج لو اور زمین میں ڈال دو جب سارے بیٹوں نے مل کر بیج ڈال دیئے تو کسان نے کہا آؤ اب وضو کرو اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ بارش برسا دے سب نے وضو کیا نماز پڑھی اور بارش کی دعا کی۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور خوب بارش ہوئی اور کچھ ہی دنوں میں زمین میں پودے اگنے شروع ہو گئے۔ کسان نے اپنے بیٹوں سے کہا دیکھو یہ ہے وہ خزانہ جس کا میں نے تم سے کہا تھا کہ جب کوئی شخص محنت کرتا ہے تو اس کا پھل اس کو ضرور ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات

علی ایک بہت ہی اچھا لڑکا تھا۔سب گھر والے اس سے بہت محبت کرتے تھے۔علی بھی اپنے بھائی بہنوں اور امی ابو سے بہت محبت کرتا تھا وہ امی ابو کی خدمت کرتا تھا کام کاج میں انکا ہاتھ بٹاتا اور چھوٹے بھائی بہنوں کی پڑھائی میں مدد کرتا تھا۔علی پانچ وقت کی نماز پابندی سے مسجد جاکر جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا۔

ایک دن علی فجر کی نماز پڑھ کر گھر آیا اور کسی سے بات چیت کئے بغیر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔علی کی امی نے اس سے پوچھا

کیا بات ہے علی بیٹے تم بستر پر لیٹ گئے اسکول نہیں جانا۔علی نے کہا نہیں امی آج میں اسکول نہیں جاؤں گا میرے سب دوست میرے پھٹے ہوئے جوتے دیکھ کر میرا مذاق اڑاتے ہیں آپ ابو سے کہیں وہ میرے لئے نئے جوتے بازار سے لے آئیں۔

علی کے ابو غریب آدمی تھے وہ ایک جگہ نوکری کرتے تھے اور وہاں سے ملنے والی تنخواہ سے گزر بسر مشکل تھی علی کی زبان سے اس قسم کی بات سن کر وہ پریشان ہوگئے۔انھوں نے اپنی اہلیہ (علی کی امی) سے کہا کہ دو رکعت نفل صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے مانگو کہ یا تو اللہ اس کے جوتوں کا انتظام کردے یا

علی کو صحیح سمجھ دے کہ وہ اپنا گزارا انھیں پرانے جوتوں پر کرے۔

علی کی امی اور ابو نے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھی اور اللہ سے دعا کی۔علی ظہر کی نماز کے وقت نیند سے اٹھا اور کسی سے بات کیے بغیر وضو کر کے مسجد کی طرف چلا گیا۔راستہ میں اس کی نظر اپنے دوستوں پر پڑی جو نئے جوتے پہنے اسکول سے واپس آ رہے تھے۔علی ان سے منہ چھپا کر آگے بڑھ گیا کہ کہیں وہ اس کا مذاق نہ اڑائیں۔

اچانک علی کی نظر ایک لڑکے پر پڑی جو بے ساکھیوں کے سہارے مسجد کی طرف جا رہا تھا اس کے دونوں پاؤں نہیں تھے۔

اسے دیکھ کر علی کو بے حد افسوس ہوا اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی اللہ نے مجھ پر اتنے احسانات انعامات کیے کہ مجھے تندرست بنایا دونوں پاؤں عطا فرمائے بغیر بے ساکھیوں کے میں چل سکتا ہوں۔لیکن پھر بھی میں اللہ کی ناشکری کرتا ہوں۔علی اپنی حرکت پر بہت نادم ہوا اس نے نماز پڑھ کر اللہ سے توبہ کی اور گھر آ کر امی ابو سے بھی معافی مانگی اور انھیں سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح اللہ نے اس کو صحیح راستہ دکھایا۔

کھانا کھا کر علی گھر سے باہر جانے لگا علی کی امی نے پوچھا بیٹا کہاں جا رہے ہو علی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اپنے پرانے جوتوں کو نیا

کرنے۔علی کی امی یہ دیکھ کر خوش ہوگئیں کہ علی اپنے پرانے جوتوں کو پالش کرکے چمکا رہا تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے جس حال میں رکھا اسی حال میں خوش تھا اور پرانے جوتوں میں پر اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔اور کہہ رہا تھا الحمدللہ علی کل حال ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔

ہیلی کاپٹر

کمرہ کھلونوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف کھلونے ہی کھلونے تھے۔ خوب صورت اور پیارے پیارے، عائشہ حیرت وخوشی کے ملے جلے تاثرات چہرے پر سجائے ان کو دیکھ رہی تھی۔

پھر اچانک اس نے جھک کر پیروں کے پاس پڑا ہوا خوب صورت ہیلی کاپٹر اٹھالیا۔

عائشہ کو ہیلی کاپٹر بہت اچھا لگتا تھا۔ اس کی خواہش تھی، اس کے پاس بھی ایسا خوب صورت ہیلی کاپٹر ہو، جس کے ساتھ وہ کھیل سکے۔

اس نے اپنی امی سے ہیلی کاپٹر لانے کے لیے کہا، چونکہ ہیلی کاپٹر بہت قیمتی تھا، اس لیے امی نے اسے ٹال دیا تھا، یوں عائشہ کی یہ خواہش اس کے دل ہی میں رہ گئی تھی۔ عائشہ نے پیار سے ہیلی کاپٹر پر ہاتھ پھیرا اور پھر اسے چوم کر واپس رکھ دیا۔

جس وقت اس نے ہیلی کاپٹر واپس رکھا عین اسی وقت شازیہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے عائشہ کو ہیلی کاپٹر رکھتے دیکھ لیا تھا۔

وہ تیر کی طرح اس کی طرف آئی اور پھر کمرہ چٹاخ کی آواز سے گونج

اٹھا۔ شازیہ کا ہاتھ عائشہ کے گال پر پڑا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ اس نے بے بسی سے شازیہ کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا:

''ذلیل! تمہیں میرے ہیلی کاپٹر کو ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے ہوئی، اگر ٹوٹ جاتا تو؟''

شازیہ کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔

عائشہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش کھڑی رہی۔ اس کی خاموشی نے شازیہ کا غصہ مزید بڑھا دیا۔

''بولتی کیوں نہیں... کیوں ہاتھ لگایا تھا، میرے ہیلی کاپٹر کو؟''

''وہ جی... جی وہ... وہ۔'' عائشہ کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

''وہ جی... جی وہ... کیا ہوتا ہے... کہو، کیوں ہاتھ لگایا تھا''

''شازیہ بی بی! مجھے یہ ہیلی کاپٹر اچھا لگتا ہے۔'' عائشہ نے جلدی سے کہا۔

اس کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔

''اچھا لگتا ہے تو پھر خرید لو بازار سے جا کر۔''

''امی خریدنے گئی تھیں لیکن...''

بہت قیمتی تھا، اس لیے خالی ہاتھ لوٹ آئی۔ یہی کہنا چاہتی ہونا؟''

''جی....جی۔''

دفع ہو جاؤ اور خبردار! جو آیندہ میرے کمرے میں بلا اجازت آنے کی کوشش کی یا کھلونوں کو چھونے کی ہمت کی۔''

''جی بہتر...'' عائشہ نے کہا اور آنکھوں میں آنسو سجائے کمرے سے نکل گئی۔

رات ماں کے پہلو میں لیٹتے وقت اس نے پوچھا:

''امی! اللہ میاں نے ہمیں غریب کیوں بنایا ہے...اس نے ہمیں بھی ڈھیر سارے پیسے کیوں نہیں دیے۔ اس نے ہمیں کھلونے کیوں نہیں دیے... بتاؤ نا امی! اس نے وہ سب کچھ ہمیں بھی کیوں نہیں دیا، جو شازیہ بی بی کے امی ابو کے پاس ہے۔''

''میری بچی! اللہ جس کو، جو چاہتا ہے...دیتا ہے۔ ہم مجبور ہیں اور اس کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ ہمیں ہر حال میں اس کی مرضی کے آگے سر جھکانا چاہیے اور میری بچی! وہ لوگوں کو آزماتا ہے کسی کی تمام خواہشات پوری کر کے تو کسی کی چھوٹی سی خواہش بھی پوری نہ کر کے۔

وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو اس کے امتحان میں پورا اترتا ہے۔

میری بچی! اللہ تعالیٰ نے ہمیں غریب بنایا ہے اس نے ہمیں شازیہ بی بی کے باپ کی طرح مال اور دولت سے نہیں نوازا تو اس میں بھی کوئی مصلحت ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا ہے جو لوگ ایسا کرتے ہیں، اللہ انہیں مایوس نہیں کرتا۔''

ماں خاموش ہوئی تو عائشہ جلدی سے بولی:

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کیا اللہ میاں مجھے شازیہ بی بی جیسا ہیلی کاپٹر نہیں دے سکتے۔ مجھے، ہیلی کاپٹر چاہئے، آپ اللہ میاں سے کہیں، وہ مجھے ہیلی کاپٹر دیں۔'' عائشہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

ماں نے بیٹی کا منہ چوم لیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

ماں، بیٹی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا:

''کون ہے؟''

''زبیدہ... دروازہ کھولو...''

شازیہ کی امی کی آواز پہچان کر عائشہ تیزی سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے سامنے شازیہ کی امی کھڑی تھیں۔

''بیگم صاحبہ... آپ اور اس وقت یہاں...'' عائشہ کے لہجے میں حیرت

تھی۔ عائشہ نے دیکھا، عائشہ کی امی کے دونوں ہاتھ ان کی کمر کے پیچھے تھے۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے انہوں نے کوئی چیز چھپا رکھی ہے۔ وہ مسکرائیں اور بولیں:

''حیران ہونے کی ضروت نہیں۔ میں تمہارے لیے تحفہ لائی ہوں...''

''تحفہ اور میرے لیے!!'' عائشہ کی حیرت دیکھنے والی تھی۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی...شازیہ بی بی کی امی جو شہر کے مشہور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، اس کے لیے تحفہ بھی لاسکتی ہیں۔

''شازیہ کی زبانی معلوم ہوا کہ تمہیں ہیلی کا پٹر بہت پسند ہے تو میں نے فوراً بازار سے منگوالیا یہ دیکھو...''

شازیہ کی امی نے کمر کے پیچھے سے ہاتھ نکالے تو عائشہ مارے خوشی کے اچھل ہی تو پڑی۔ انہوں نے ہاتھ میں خوب صورت ہیلی کا پٹر پکڑا ہوا تھا۔ عائشہ کو یوں محسوس ہوا، جیسے ہیلی کا پٹر اس سے کہہ رہا ہو:

''لو...میں تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ تمہاری خواہش تھی نا کہ میرے ساتھ کھیلو...میں تو اسی لیے آیا ہوں۔''

عائشہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اس نے لپک کر شازیہ کی امی کے ہاتھ سے ہیلی کا پٹر لے لیا۔ اس کی امی ارے، ارے کرتی رہ گئی اور وہ ہیلی کا پٹر تھامے، تیزی سے اندر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

گائے کی سچی سہیلی



جنگل میں ان کے گھر کے پاس ایک کنواں تھا، جس میں بہت سا پانی تھا۔

دونوں بچوں کی ماؤں نے انھیں یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ کنویں کے قریب مت کھیلنا۔ گائے نے کہا تھا: ''اگر تم کنویں کے قریب کھیلو گے تو اس کا پانی گندہ ہو جائے گا اور ہم سے گندہ پانی نہیں پیا جاتا۔''

شیرنی نے کہا تھا ''اگر تم کنویں کے قریب کھیلو گے تو اس میں گر کر مر جاؤ گے۔ ہم تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکیں گے، کیونکہ کنویں میں بہت سا پانی ہے۔''

گائے کا بچھڑا اپنی ماں کی نصیحت پر عمل کرتا اور کنویں کے قریب نہیں پھٹکتا تھا، لیکن شیرنی کا بچہ بڑا نافرمان تھا۔

وہ کہتا: ''میری ماں مجھے کنویں کے قریب جانے سے منع کرتی ہے، اس لیے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔''

اس مرتبہ بھی اس نے یہی کیا۔ گائے کے بچھڑے نے بہت کہا کہ کنویں کے قریب نہ کھیلو۔ تمھیں معلوم ہے ہماری ماؤں نے منع کیا تھا، واپس آ جاؤ۔''

''مجھے کوئی پروا نہیں کہ میری یا تمھاری ماں نے کیا کہا تھا۔'' یہ کہکر وہ کنویں کے چاروں طرف چکر کاٹنے لگا۔

گائے کا بچہ چلایا: ''تم کنوئیں میں گر جاؤ گے۔'' یہ کہ کر وہ شیرنی کے

بچے کے پیچھے دوڑا تا کہ اسے روکے۔

اس نے اسے پکڑ کر کھینچا اور کنوئیں سے دور لے جانے کی کوشش کی۔ شیرنی کے بچے نے گائے کے بچے کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔

گائے کا بچہ مجبور ہو گیا۔ شیرنی کا بچہ اچھلتا کودتا رہا، آخر کنوئیں میں گر پڑا اور مر گیا۔

بچھڑا سوچنے لگا: ''جب شیرنی واپس آئے گی اور اسے یہ معلوم ہو گا کہ اس کا بچہ کنویں میں گر گیا ہے تو وہ یہی سمجھے گی کہ میں نے اسے دھکا دیا ہے۔

اگر میں کہوں گا کہ وہ خود شرارت کر رہا تھا تب بھی وہ میرا ہی قصور بتائے گی۔ اب میں کیا کروں؟''

وہ جلدی سے اپنی ماں کے پاس گیا اور اسے سب قصہ کہہ سنایا۔

گائے نے کہا: ''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، میں جانتی ہوں وہ بڑا شریر تھا، لیکن اس کی ماں سنے گی تو خفا ہو گی۔ ہمیں اس سے پہلے ہی یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔

آؤ، میری دم پکڑ لو اور جتنا تیز دوڑ سکتے ہو، دوڑو۔''

بچے نے گائے کی دم اپنے منہ میں دبا لی اور بھاگنا شروع کیا۔ بچے کی ٹانگیں کمزور تھیں، اس لئے وہ جلد ہی تھک گیا اور اس نے اپنی ماں سے کچھ دیر

آرام کرنے کی درخواست کی، لیکن گائے نے کہا: ''نہیں، ٹھہرو مت، ورنہ شیرنی ہمیں پکڑ کر کھا جائے گی۔ چلو دوڑتے رہو۔''

تھوڑی دور اور دوڑنے کے بعد بچھڑے میں ہمت نہ رہی اور وہ نیچے گر پڑا۔

اس کی ماں نے کہا: ''ہمیں کسی جگہ پناہ لے لینی چاہیئے۔ اٹھو، تلاش کرتے ہیں۔ شاید کوئی ہمدرد مل جائے۔''

بچھڑا بڑی مشکل سے کھڑا ہوا اور دونوں تلاش میں چل پڑے۔ اتنے میں انھیں ایک زرافہ نظر آیا۔

زرافے نے کہا: ''کیوں گائے بہن! خیریت تو ہے، کیا معاملہ ہے۔ آپ اپنے ننھے بچے کو ساتھ لئے ادھر کہاں آنکلیں۔''

گائے نے کہا: ''مہربانی کر کے ہماری مدد کرو زرافے بھائی! میں سب قصہ تمھیں سناؤں گی۔''

زرافے نے اس کی کہانی سن کر جواب دیا: ''اچھی بات ہے۔ میں آپ کا خیال رکھوں گا۔ مجھے شیرنی کا کوئی ڈر نہیں، میرے پاس ٹھہرو۔ کھاؤ پیو، جو جی چاہے کرو۔ میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ اگر شیرنی آئی بھی تو میں اس کے ایک لات رسید کروں گا۔ میں شیروں سے اسی طرح لڑتا ہوں۔ ایک لات لگاتا ہوں اور ان کی طبیعت درست ہو جاتی ہے۔ گھبراؤ نہیں، میں آپ کا دوست ہوں۔''

گائے جانتی تھی کہ سب زرافے لات بڑی زور سے مارتے ہیں۔ اس کو کچھ اطمینان ہوا اور تھوڑا بہت کھا پی کر اپنے بچھڑے کو لے کر سو گئی۔

اسے سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ زرافے نے گائے کو جگا کر کہا: ''شیرنی آ پہنچی ہے، آپ جائیں۔''

گائے جاگ کر کھڑی ہوئی اور کہا: ''کیا کہا تم نے۔''

زرافے نے پھر کہا: ''شیرنی آ رہی ہے آپ چلی جائیں۔ فوراً چلی جائیں۔''

گائے نے جواب دیا: ''لیکن میرا تو خیال تھا تم ہماری حفاظت کرو گے اور ہم کچھ دن یہاں رہ سکیں گے۔''

زرافے نے کہا: ''ارے نہیں۔ آپ یہاں نہیں ٹھہر سکتیں۔ میں شیرنی سے نہیں لڑنا چاہتا۔ آپ اس کے آنے سے پہلے چلی جائیں۔

گائے نے اپنے بچھڑے سے کہا: ''آؤ میری دم پکڑ لو۔ ہمیں پھر بھاگنا پڑے گا۔ اب کوئی واقعی سچا دوست تلاش کریں گے۔

بچے نے اپنی ماں کی دم پکڑ لی اور دونوں جنگل کے اونچے اونچے درختوں کے بیچ میں دوڑنے لگے۔ بچہ تھکنے ہی والا تھا کہ انھیں سڑک پر ایک بھینس کھڑی نظر آئی۔

بھینس نے بھی وہی سوالات پوچھے جو زرافے نے پوچھے تھے اور اسی طرح اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور دعویٰ کیا کہ وہ شیرنی کو مار بھگائے گی۔ بھینس کو اپنے سینگوں پر بڑا ناز تھا۔

گائے بے چاری نے تھوڑا بہت کھایا پیا اور اپنے بچے کو لے کر سو گئی، لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ شیرنی پھر وہاں آ پہنچی۔ بھینس نے گھبرا کر گائے کو بیدار کیا اور زرافے کی طرح بزدلی دکھائی اور گائے اور اس کے بچے کو اپنے گھر سے بھگا دیا۔

گائے بے چاری اپنے بچے کو ساتھ لے کر پھر کسی سچے دوست کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد انھیں ایک ہاتھی ملا: ''گائے نے اسے اپنی کہانی سنائی۔ ہاتھی نے دعویٰ کیا کہ سب شیر اس سے کانپتے ہیں، لہذا وہ گائے کو پناہ دے گا۔''

اسے اپنی سونڈ پر ناز تھا اور بڑے بڑے دانتوں پر بھی۔

گائے بڑی خوش ہوئی اور اپنے بچے کو لے سو گئی۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ شیرنی یہاں پر بھی آ گئی اور ہاتھی اس سے گھبرا گیا۔ وہ اپنے تمام وعدوں سے پھر گیا اور گائے کو بھگا دیا۔

گائے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ اور اس کا بچہ دونوں

بہت تھک گئے تھے۔ دوڑتے بھاگتے جنگل بھی ختم ہو گیا اور وہ کھیتوں پر نکل آئے۔ اب انھیں شیرنی کا اور بھی زیادہ خوف تھا کہ وہ ضرور پکڑ لے گی۔ اتنے میں انھیں سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی چڑیا نظر آئی۔

اس نے کہا: ''ڈرو مت، میں چھوٹی ضرور ہوں، لیکن میں تمہاری سچی سہیلی ثابت ہوں گی۔ میں ان کی طرح نہیں ہوں جو شیخی مارتے ہیں، لیکن کام کچھ بھی نہیں کرتے ہیں بیٹھ جاؤ اور دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔ مجھے صرف ایک پیالہ دودھ کی ضرورت ہے۔''

گائے نے چڑیا کو پیالہ بھر کر دودھ دے دیا۔ چڑیا گئی اور کیلے کا پھول لے آئی۔ اس نے یہ پھول دودھ پر لٹکایا اور اس میں سے چند قطرے اس کے سرخ رس کے ٹپکا دیے۔ دودھ خون کی طرح سرخ ہو گیا۔ اب سب مل کر شیرنی کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

شیرنی جلد ہی آ گئی۔ چڑیا اڑ کر اس کے سر پر جا پہنچی اور اس کی آنکھوں پر چونچیں مارنے لگی۔

شیرنی کو بڑا غصہ آیا وہ دہاڑنے لگی اور چڑیا سے کہا: ''دیکھو مجھے تکلیف نہ دو۔'' چڑیا نے ایک نہ سنی۔ وہ وہیں جمی رہی اور شیرنی کی آنکھوں پر چونچیں مارتی رہی۔

''ٹھہرو تم کیا مجھے اندھا کر دو گی؟ دیکھو، مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

ننھی چڑیا ہنسی اور کہنے لگی: ''اگر تم مجھے دیکھ نہیں سکتی ہو تو اپنی آنکھوں سے خون کا گرنا محسوس تو کر سکتی ہو۔''

یہ کہہ کر چڑیا نے سرخ دودھ شیرنی کے سر پر ڈال دیا۔ شیرنی نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو واقعی خون گر رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ڈر گئی۔''

چڑیا نے کیلے کا سرخ پھول اٹھا کر شیرنی کے سامنے زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگی:

''دیکھو شیرنی! میں نے تمہارا دل بھی نکال لیا ہے، وہ سامنے زمین پر پڑا ہے۔''

شیرنی نے کوشش کر کے سامنے نظر ڈالی تو کوئی چیز پڑی دکھائی دی، جسے وہ واقعی اپنا دل سمجھی۔ پھر تو وہ ایک منٹ بھی وہاں نہیں ٹھہری، فوراً مڑی اور تیزی سے جنگل کی طرف بھاگی۔

اسی وقت سے اب تک گائے گاؤں میں رہتی ہے۔ اور ننھی سرخ چڑیا اس کی بہترین سہیلی ہے وہ اکثر گائے کے گھر ہی میں رہتی ہے کبھی کبھار اسے وہاں کچھ کھانے پینے کو بھی مل جاتا ہے، کیونکہ اس نے کسی زمانے میں گائے کی مدد کی تھی۔

سوالات

دوستو......! ان سوالات کا جواب کتاب ہی میں اسٹیکرز کی صورت میں موجود ہے آپ مطلوبہ جواب کا اسٹیکر سوال کے نیچے دی ہوئی خالی جگہ پر چپکا یئے۔

سوال نمبر ۱۱: فجر کی نماز میں کتنی رکعتیں ہوتی ہیں؟

جواب:

سوال نمبر ۱۲: ظہر کی نماز میں کتنی رکعت پڑھنا سنت ہے؟

جواب:

سوال نمبر ۱۳: مغرب کے بعد کی نفل نماز کو کیا کہتے ہیں؟

جواب:

سوال نمبر ۱۴: نماز وتر کس نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے؛

جواب:

سوال نمبر ۱۵: آسمانی کتابیں کتنی ہیں؟

جواب:

کسان اور چور

گاؤں میں خدا بخش کا ایک چھوٹا سا' پیارا سا گھر تھا۔ وہ کسان تھا۔ اس کا ایک باغ تھا۔ باغ کے آخری کونے میں ایک بہت گہرا کنواں تھا۔ بے چارہ کسان پانی اوپر کھینچتا اور پھر اس کو باغ کے پودوں میں ڈالتا تھا۔

ایک سال بالکل بارش نہیں ہوئی۔ سورج بہت گرم تھا۔ کسان نے اپنے باغ کی طرف دیکھا اور کہا: ''اگر پانی نہ ملا تو میرے پودے مرجائیں گے۔

مجھے ان کو پانی ضرور دینا چاہیے' لیکن پانی تو اب بہت گہرائی میں اتر گیا ہے۔ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور موٹا بھی۔ بہت محنت کا کام ہے' مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

یہ سوچتا ہوا وہ سڑک کے کنارے بنی ہوئی چار دیواری تک آ گیا۔ وہ تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہی تھا کہ اس کان میں کھسر پھسر کی آواز آئی۔ کوئی اس کا نام لے رہا تھا۔

کسان کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ غور سے ان کی باتیں سننے لگا۔ وہ دونوں باغ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ انھوں نے کسان کو نہیں دیکھا تھا۔

ایک آدمی نے کہا: ''خدا بخش اور اس کی بیوی ٹھیک نو بجے سونے کے

لیے چلے جاتے ہیں۔ہمیں کم از کم دو گھنٹے اور انتظار کرنا چاہیے، پھر گیارہ بجے ہم دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ بنالیں گے۔اس سوراخ سے گزر کر میرا چھوٹا بیٹا اندر جائے گا اور دروازہ کھول دے گا۔''

اس کے ساتھی نے پوچھا:''کیا خدا بخش کے پاس بہت ساری دولت ہے؟''

''ہاں' کیوں نہیں۔'' دوسرے آدمی نے بتایا:''اس کے پاس بہت سارا سونا اور ہیرے جواہرات ہیں جو اس نے اپنے گھر میں ایک بڑے صندوق میں رکھے ہوئے ہیں۔وہ بہت امیر آدمی ہے۔''

''اوہ! یہ تو بہت اچھی بات بتائی تم نے۔'' پہلے نے خوش ہو کر کہا۔

خدا بخش گھر چلا گیا۔اس نے اپنی بیوی سے کہا:''آج رات ہم ٹھیک نو بجے کھانا کھائیں گے۔''اس نے اپنا سارا روپیہ' سونا اور ہیرے جواہرات اکٹھے کیے اور انہیں اپنے پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔

پھر وہ چھوٹے بڑے کچھ پتھر گھر میں لایا اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

ٹھیک نو بجے اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔اس نے دونوں چوروں کو درختوں کے درمیان چھپے ہوئے دیکھ لیا اس نے بیوی سے کہا:''کیا کھانا تیار ہے' کھانا لاؤ۔'' پھر وہ کھانے بیٹھ گئے۔

پہلے چور نے کہا:''رات کے نو تو بج چکے، مگر خدا بخش تو ابھی تک جاگ

رہا ہے۔ ہمیں ذرا قریب جا کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔" چور گھر سے کچھ اور قریب آ گئے۔ ایک چور نے کھڑکی سے گھر کے اندر جھانکا اور بولا: "وہ تو کھانا کھا رہا ہے۔"

خدا بخش نے چوروں کی آہٹ سن لی۔ تو وہ زور زور سے بیوی سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بولا: "میں نے سنا ہے آج کل بہت چوریاں ہو رہی ہیں۔ اس علاقے میں بھی کچھ چور آ گئے ہیں۔ انھوں نے میرے دوست علی کا سارا سونا اور جواہرات چرا لیے ہیں۔"

"ارے! پھر تو وہ ہمارے گھر بھی آ سکتے ہیں۔" اس کی بیوی گھبرا گئی۔

خدا بخش بولا: "ہاں وہ آ سکتے ہیں۔ ہمیں اپنا سونا اور ہیرے جواہرات کسی ایسی جگہ چھپا دینے چاہئیں جہاں سے کوئی انھیں نکال نہ سکے۔ ذرا میرا صندوق تو لانا۔"

بیوی صندوق لے آئی۔ خدا بخش نے چپکے سے بیوی کو پتھر جمع کر کے دیے اور اس کے کان میں بولا: "یہ ہمارا سونا اور ہیرے جواہرات ہیں۔"

پھر زور سے بولا: "پہلے مجھے سونے کی اینٹیں اٹھا کر دو تا کہ میں انھیں صندوق میں رکھ دوں۔"

اس نے کچھ پتھر اٹھا کر دیے۔ ان کی پیٹھ کھڑکی کی طرف تھی۔ خدا بخش

نے اتنی صفائی اور چالاکی سے انھیں صندوق میں رکھا کہ چور دیکھ ہی نہیں سکے۔

خدا بخش نے قہقہہ لگایا اور بولا: ''میں ان کو ایسی جگہ چھپاؤں گا جہاں سے کوئی انہیں نہیں نکال سکے گا۔ میرے ہیرے جواہرات کی تھیلی بھی لاؤ۔''

وہ اور پتھر لے آئی۔

اب میں یہ صندوق بند کر رہا ہوں' اب ذرا اسے اٹھانے میں میری مدد کرو۔''

خدا بخش اور اس کی بیوی نے صندوق اٹھایا اور باہر نکل کر باغ کے کنویں میں ڈال دیا۔

شڑاپ کی آواز آئی اور صندوق کنویں کی تہہ میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ گھر کے اندر چلے گئے۔ لالٹین بجھائی اور انتظار کرنے لگے۔

پہلا چور بولا: '' انھوں نے اپنا سونا اور ہیرے کنویں میں چھپا دیے ہیں۔ اب وہ سونے چلے گئے ہیں اور بہت جلد سو جائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد خدا بخش نے چپکے سے کھڑکی سے باہر جھانکا تو دیکھا کہ چور کنویں کے پاس کھڑے تھے۔

پہلا چور بولا: ''ہمیں کنویں کا پانی نکالنا چاہیے ویسے بھی قحط کا موسم ہے

زیادہ پانی نہیں ہوگا' جب پانی کم ہو جائے گا تو میں کنویں کے اندر اتروں گا اور صندوق نکال لوں گا۔'' انھوں نے کنویں سے پانی نکالنا شروع کر دیا۔ ایک چور پانی اوپر کھینچتا اور دوسرا اسے باغ میں جانے والی نالی میں ڈال دیتا۔

کنویں میں بہت سارا پانی تھا۔ وہ دونوں پوری رات پانی نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی' مگر وہ ابھی تک مصروف تھے۔

کسان نے کھڑکی کھولی اور چلایا: ''بہت بہت شکریہ! میرے دوستو! تم نے میرے باغ کو سیراب کر دیا۔ کنویں والا صندوق پتھروں سے بھرا ہوا ہے۔ پولیس کے سپاہی آ رہے ہیں' وہ سڑک تک پہنچ گئے ہیں۔ اللہ حافظ میرے دوستو! تمہارا ایک بار پھر شکریہ۔''

اونٹ اور گیدڑ

ایک اونٹ اور ایک گیدڑ میں گہری دوستی تھی دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ رہنے اور کھانے کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ بناتے۔

ایک دن انہوں نے خربوزے کھانے کا پروگرام بنایا۔

خربوزوں کا کھیت دریا کی دوسری طرف تھا۔

گیدڑ نے اونٹ سے کہا ''دوست! تم تو دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ جاؤ گے مگر میں کیسے جاؤں گا۔''

اونٹ نے جواب دیا ''فکر نہ کرو، میں تمہیں اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دوسری طرف لے جاؤں گا۔''

دونوں دوست ندی کی دوسری طرف پہنچ گئے اور خربوزے کھانے لگے۔

گیدڑ کا پیٹ چونکہ چھوٹا تھا، جلدی بھر گیا اس نے کھیت کے کنارے بیٹھ کر چیخنا شروع کر دیا۔

اونٹ نے گیدڑ کی منت سماجت کی ''دوست ایسا نہ کرو، ایک تو ابھی میرا پیٹ نہیں بھرا اور دوسرے تمہاری آواز سن کر کسان آجائے گا اور میری خوب پٹائی کرے گا۔''

مگر گیدڑ نہ مانا اور کہنے لگا" میں عادت سے مجبور ہوں۔ اگر میں کھانا کھانے کے بعد نہ چیخوں تو پیٹ میں درد ہونا شروع ہو جاتا ہے۔"

گیدڑ شور مچاتا رہا اور اس کی آواز سن کر کسان اور اس کے بیٹے لاٹھیاں لے کر پہنچ گئے۔

گیدڑ تو جھاڑیوں میں چھپ گیا مگر اونٹ کو انہوں نے بہت مارا۔ مار کھانے کے بعد جب اونٹ دریا کے کنارے پہنچا تو گیدڑ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ گیدڑ پھر اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہو گیا جیسے ہی وہ دریا کے درمیان پہنچے اونٹ نے پانی میں غوطہ لگانا چاہا۔

گیدڑ نے کہا" دوست یہ کیا کرتے ہو، میں ڈوب جاؤں گا، خدا کے لیے ایسا نہ کرو۔"

اونٹ نے جواب دیا" کھانا کھانے کے بعد اگر میں نہ نہاؤں تو پیٹ میں شدید درد ہونے لگتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے غوطہ لگایا۔

گیدڑ تیز لہروں میں بہہ گیا اور چند غوطے کھانے کے بعد ڈوب گیا۔

دوستو! کبھی کبھی سزا کے طور پر بدلہ بھی لے لینا چاہیے تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو لیکن بہتر یہی ہے کہ جو ہم سے برا سلوک کرے ہم اس سے اچھے طور پر پیش آئیں اس طرح اللہ دوسروں کے دلوں میں ہماری محبت ڈال دیں گے۔

شیر اور چوہا

آپ کو معلوم ہے کہ کس جانور کو جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے......؟

بالکل ٹھیک شیر کو جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے.....ابھی ہم آپ کو جو کہانی
رہے ہیں وہ بھی شیر کی کہانی ہے۔

ایک دن شیر نے جنگل سے ایک جانور شکار کیا اور اس کے گوشت کو پیٹ
ر کر کھالیا۔

اب شیر کو نیند آنے لگی وہ جلدی سے اپنے گھر (غار) میں آیا اور سو گیا۔



ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اچانک
ی چوہا کھانے کی تلاش میں
ر کے گھر (غار) میں
گھسا اور کھانا تلاش
رنے لگا۔

اس کی آواز سن کر
یر کی آنکھ کھل گئی شیر کو
ہت غصہ آیا اور اس نے

لپک کر چوہے کو پکڑ لیا اور غصہ سے کہا ’’تم میرے گھر میں میری اجازت کے بغیر کیسے آئے اب میں تمھیں کھا جاؤں گا....؟‘‘

اب تو چوہے کو اپنی موت بالکل سامنے نظر آنے لگی لیکن وہ گھبرایا نہیں بلکہ اس نے شیر سے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کر دو ہوسکتا ہے میں بھی کبھی تمھارے کام آؤں۔

شیر چوہے کی بات سن کر زور زور سے ہنسنے لگا.....’’تم اور میری مدد کرو گے۔اپنے آپ کو دیکھ اور مجھے......‘‘

چوہے نے کہا......’’دیکھو کسی کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کسی کو حقیر و کمتر نہیں سمجھنا چاہیئے۔اللہ نے کسی چیز کو بیکار پیدا نہیں کیا۔‘‘

شیر کو ننھے چوہے کی یہ باتیں بہت اچھی لگیں اور اس نے چوہے کو آزاد کر دیا۔چوہا بہت خوش ہوا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر شیر کا شکریہ ادا کیا۔

ابھی اس قصہ کو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ جنگل میں کچھ شکاری آئے۔ انھوں نے شیر کو پکڑنے کے لئے ایک جگہ جال لگایا تا کہ شیر کو پکڑ کر چڑیا گھر والوں کو فروخت کرسکیں۔

شیر شکار کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہا تھا کہ اچانک اس کا پاؤں جال میں پھنس گیا اب تو شیر بہت گھبرایا اسے معلوم تھا کہ اس قسم کے جال شکاری لگاتے ہیں اور شکاری جانوروں کو پکڑ کر شہر لے جاتے ہیں اور چڑیا گھر والوں کو بیچ دیتے ہیں۔

شیر نے اللہ سے دعا مانگنی شروع کی۔ اللہ نے اس کی دعا قبول کی۔

چوہا اپنے دوستوں کے ساتھ جنگل کی سیر کر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر شیر پر پڑی اس نے شیر کو پہچان لیا کہ یہ وہی شیر ہے جس نے اس پر احسان کیا تھا۔

آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ چوہے کے دانت چھری کی طرح تیز ہوتے ہیں چوہے نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر پورا جال کتر دیا اور شیر کو جال سے نجات ملی۔ پھر چوہے نے شیر سے کہا کہ میں نے تم سے کہا تھا نا....... کہ کبھی کسی کو حقیر و کمتر بے کار نہیں سمجھنا چاہئے۔ شیر کو بھی یہ بات سمجھ میں آ گئی اس نے چوہے کا شکریہ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے چوہے کے ذریعے ایک بہت بڑی مصیبت سے اسے بچا لیا۔

دوستو ہمیں اس حدیث مبارکہ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہے اِرْحَمُو امَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِیْ السَّمَآءِ۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

احمد کی مرغی محمود کے گھر

احمد اسکول سے گھر آیا، کتابیں میز کے اوپر رکھیں، منھ ہاتھ دھو کر اطمینان کے ساتھ چائے پی اور ابھی خالی پیالی تپائی پر رکھی ہی تھی کہ اس کی چھوٹی بہن عالیہ بھاگتی ہوئی آئی اور مسکرا کر بولی:

''بھائی جان! ایک خوشخبری سنیں گے؟''

''خوشخبری! ضرور سناؤ۔ کیا تم امتحان میں پاس ہوگئیں یا کہیں سے مٹھائی کا بھرا ہوڈبہ آیا ہے؟'' عالیہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

''تو پھر کیا خوشخبری ہے؟''

''آپ کی وہ مرغی ہے نا سرخ رنگ کی، بڑی پیاری؟'' عالیہ نے کہا۔

''اس نے انڈا دیا ہے، مگر وہ تو دیتی رہتی ہے؟'' احمد نے جلدی سے پوچھا۔

''بھائی جان! آپ اسکول گئے اور واپس آگئے۔ وہ باہر نکلی اور لوٹی نہیں۔''

''کیا میری مرغی گم ہوگئی ہے؟'' اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

عالیہ ہاں میں سر ہلانے لگی۔

''کہاں گئی؟ کیوں گئی؟ آئی کیوں نہیں؟'' احمد نے ایک ساتھ کئی سوال کر دیے۔

''ہم کچھ نہیں جانتے بھائی جان! بس یہ جانتے ہیں کہ وہ باہر باغ میں پھر رہی تھی کہ دروازے سے باہر چلی گئی۔ پہلے بھی جایا کرتی تھی اور تھوڑی دیر میں واپس آجاتی تھی۔ لیکن اس مرتبہ نہیں آئی۔''

''تلاش کیا؟'' احمد نے پوچھا۔

''بہت ڈھونڈا۔ نہیں ملی۔ کوئی لے گیا ہے۔'' عالیہ نے جواب دیا۔

''کون لے گیا ہے؟'' احمد نے پوچھا۔

''بھائی جان! اگر ہمیں علم ہوتا کہ کون لے گیا ہے تو وہاں جا کر لے نہ آتے۔'' عالیہ نے جواب دیا۔

احمد نے غصے سے اپنا دایاں پاؤں زمین پر پٹخا اور یہ کہہ کر باہر چلا گیا: ''میں خود ڈھونڈتا ہوں۔''

وہ ہمسایوں کے گھر جا جا کر مرغی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا ہم جماعت آصف جو ہکلا کر بات کرتا تھا، اسے ملا اور اسے اشارے سے ایک طرف لے جا کر رازدارانہ لہجے میں بولا:

'ت.....ت.....تم....اپ   ن....نی   م....م....مرغی
ڈھونڈ....ر....رہے ہو....ن...ا۔''

''ہاں دیکھی کہیں؟''

آصف نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب کرلیا: ''و....و...وہ مح....مود.....لے....گ.....گیا....ہ......ے.....ہے''

''محمود لے گیا ہے؟''

''م.....م.....میں.....ن.....نے.....ا....س.....کے.....ہ....ا.... ہاتھ...میں دےکھی..تھی۔''

''وہی لے گیا ہوگا، اس کے پاس اپنی مرغیاں بھی ہیں۔'' احمد نے کہا۔

احمد، آصف کو ساتھ لے کر محمود کے گھر جانا چاہتا تھا کہ ادھر سے ان کے تایا جان آگئے۔ ان کے پوچھنے پر احمد نے مرغی کے کھو جانے اور اسے محمود کے ہاتھ میں دیکھنے کا واقعہ سنایا۔

''تو اب تم اس کے گھر جا رہے ہو؟'' تایا جان نے پوچھا۔

''جی ہاں اس سے اپنی مرغی مانگوں گا۔''

''پہلے گھر چلو۔'' اور تایا جان احمد اور آصف کو گھر لے گئے۔

''دیکھو بیٹا! یہ کوئی بات نہیں ہے کہ آصف نے تمھاری مرغی محمود کے ہاتھ میں دیکھی اور تم چلے اس کے گھر مرغی مانگنے۔ ہوسکتا ہے آصف کی نظروں نے دھوکا کھایا ہو۔ وہ تمھاری مرغی نہ ہو؟''

''وہ میری ہی مرغی ہوگی۔ آصف اسے کئی بار دیکھ چکا ہے۔ اس نے

میری مرغی پہچان لی۔''

''ج...ج...ی ہاں...م...م میں نے اسے پ پ''

''پہچان لیا تھا۔ یہی کہنا چاہتے ہو!'' تایا جان نے آصف سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

آصف نے ہاں کر دی۔

''دیکھو احمد! جب تک پوری تحقیق نہ کر لی جائے کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔'' تایا جان نے فرمایا۔

احمد کی باجی بھی آ گئی تھیں۔ انہوں نے تایا جان کی تائید کرتے ہوئے کہا: ''محمود ایک فسادی لڑکا ہے، خواہ مخواہ جھگڑا کرے گا۔''

''درست کہا ہے تم نے۔'' احمد کی امی بھی وہاں آ گئی تھیں اور انھوں نے اپنی بڑی بیٹی کی بات سن لی تھی۔

''میں سمجھتا ہوں احمد، تمھاری باجی نے جس خطرے کا اظہار کیا ہے وہ غلط نہیں ہے۔

تایا جان نے اپنا فیصلہ سنایا۔

عالیہ جو بڑی خاموشی سے گفتگو سن رہی تھی بولی: ''میں تصدیق کر سکتی ہوں۔''

''وہ کیسے؟'' عالیہ کی امی بولیں۔

''امی! وہ ایسے کہ میں محمود کی بہن کی کتاب لے آئی تھی، واپس کرنے جاتی ہوں۔ محمود کی مرغیاں ان کے گھر کے باغ میں ہوتی ہیں۔ میں باغ میں سے گزر کر آگے جاؤں گی۔ دیکھ لوں گی کہ میری مرغی وہاں ہے یا نہیں۔''

سب نے اس کی تائید کی۔ عالیہ تیزی سے چلی گئی۔ سب بے قراری سے اس کا انتظار کرنے لگے۔ چند منٹ بعد عالیہ لوٹ آئی۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

''بل.... کل ٹھیک ہے۔''

''کیا بالکل ٹھیک ہے؟''

''مرغی وہاں ہے۔''

''اب بنی بات۔ احمد محمود کے ہاں جا سکتا ہے اپنی مرغی مانگنے۔''

احمد آصف کو اپنے ساتھ لے کر محمود کے ہاں پہنچ گیا۔ محمود نے انہیں اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور آنے کی وجہ پوچھی۔

احمد نے بڑے نرم لہجے میں کہا: ''وہ بھائی محمود، ہوا یوں کہ میری مرغی سیر و تفریح کے لئے گھر سے باہر جایا کرتی تھی۔ آج وہ دور چلی گئی اور راستہ بھول گئی۔''

''راستہ بھول گئی۔ اوہو۔ آپ نے اخبار میں تلاش گم شدہ کا اشتہار دیا ہوتا۔'' محمود بولا۔

''جی نہیں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ غلطی سے آپ کے گھر میں چلی گئی۔''

''میرے گھر میں چلی گئی؟'' محمود نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں، وہ آپ کے ہاں ہے۔''

محمود مسکرایا: ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ جیسے عقل مند لڑکے کی مرغی بھی عقل مند ہوگی۔ وہ گھر کا راستہ نہیں بھول سکتی۔''

یہ بات سن کر آصف کہنے لگا: ''م...م میں نے و...وہ مر...غی آ....پ کے....ہ..ہ... ہاتھ میں د....دیکھی ت....تھی۔''

محمود نے اسی انداز میں ہکلا کر کہا: ''و...و....ہ م....میں....مار....کیٹ....س.. ...سے خر....خرید....ک....ر......لایا تھ....تھا۔''

آصف نے منہ بسور لیا۔ احمد اور محمود ہنس پڑے۔

''مجھے یقین ہے میری مرغی آپ ہی کے ہاں موجود ہے۔''

''ٹھیک، سو فی صد ٹھیک! آپ کی مرغی میرے پاس ہے تو آپ اس کی

نشانیاں بتادیں۔ اگر یہ نشانیاں ٹھیک ہوئیں تو مرغی آپ کی، یہ تو آپ کر سکتے ہیں نا؟''

''کرسکتا ہوں۔''

''تو کیجئے۔ بتایئے آپ کی مرغی کا رنگ کیا ہے؟''

احمد فوراً بول اٹھا: ''سرخ''

''مرغی کا رنگ سرخ اور وزن کتنا ہے؟''

''وزن؟''

''جی ہاں، اس کا وزن کتنا ہے؟''

''میں نے اسے کبھی نہیں تولا اور تولنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟''

''پھر بتایئے مجھے کیسے معلوم ہو کہ آپ درست کہتے ہیں۔ اچھا آپ یہ فرمایئے اس کے پروں کی تعداد کیا ہے؟''

''آپ تو مذاق کر رہے ہیں۔''

''میں بالکل مذاق نہیں کر رہا۔ آپ سے آپ کی مرغی کی نشانی پوچھ رہا ہوں۔''

احمد اٹھ بیٹھا اور غصے سے جانے لگا۔ آصف بھی اس کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔

محمود نے زور سے قہقہہ لگایا اور یہ قہقہہ احمد کو بہت برا لگا، مگر وہ گھر سے نکل گیا۔

''کیوں بھئی، کیا بات ہے منہ لٹکائے آ رہے ہو؟'' تایا جان نے احمد کو مایوسی کی حالت میں دیکھ کر پوچھا۔ احمد نے جو کچھ ہوا تھا سنا دیا۔

''یہ محمود تو میری توقع سے زیادہ ذہین ثابت ہوا ہے۔ خیر آؤ اب میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ راستے میں محمود کے سوالوں کے جواب سوچیں گے۔'' احمد، آصف اور تایا جان محمود کے گھر چلے گئے۔

''محمود بیٹا!''

''جی فرمایئے۔''

''تمھارے اور احمد کے درمیان ایک جھگڑا پیدا ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ دوستوں میں جھگڑا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔''

''تایا جان آپ اس کے بھی بزرگ ہیں اور میرے بھی۔ آپ فیصلہ کر دیں، میں اس فیصلے کو فوراً مان جاؤں گا۔''

''یہ تمھاری سعادت مندی ہے محمود بیٹا۔''

''یہ اپنی مرغی کی صحیح صحیح نشانیاں بتا دے، مگر یہ نشانیاں بتا ہی نہیں سکا۔'' محمود نے کہا۔

''کیوں احمد! اگر تمھاری مرغی ہے تو اس کی ساری نشانیاں تمھیں معلوم ہوں گی۔''

''میں بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' احمد نے کہا۔

''لو محمود! پوچھو اس سے۔''

محمود نے پہلا سوال کیا'' مرغی کا رنگ؟''

احمد نے فوراً جواب دیا' سرخ۔''

''درست ہے۔'' محمود نے سر ہلا کر کہا۔

''مرغی کا وزن؟''

احمد سوچ میں پڑ گیا، محمود اپنی کامیابی پر مسکرانے لگا۔

تایا جی کہنے لگے: ''احمد! محمود نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب دو۔''

جواب دیتا ہوں جی، ''میری مرغی کا وزن ڈھائی کلو ہے۔''

''ڈھائی کلو۔ محمود! تم کیا کہتے ہو۔'' تایا جی نے پوچھا۔

''میں نہیں مانتا۔'' محمود کا جواب تھا۔

''تو بیٹا! تول کر دیکھ لو۔ ابھی صحیح وزن معلوم ہو جائے گا۔''

محمود اٹھ کر چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں مرغی اور ترازو تھا۔

مرغی کو تولا گیا تو اس کا وزن ڈھائی کلو سے دو چھٹانک کم نکلا۔ یہ دیکھ کر محمود خوشی سے اچھل پڑا۔

''کیوں احمد! جھوٹا الزام لگاتے ہو'' تایا جان غصے سے بولے۔

''میری سنیے تایا جان۔''

''سناؤ۔''

''میری مرغی کا وزن ڈھائی کلو تھا۔ گھر سے بچھڑ کر اتنی اداس ہوئی اتنی اداس ہوئی کہ اس کا وزن دو چھٹانک کم ہو گیا۔'' یہ سن کر محمود پریشان ہو گیا۔

''بات معقول ہے محمود بیٹا! تم بھی یقیناً اسے معقول سمجھو گے۔ کوئی اور نشانی پوچھو۔''

''پوچھتا ہوں۔ اس کے پروں کی تعداد بتاؤ؟''

''جی میری مرغی کے پروں کی تعداد نو ہزار نو سو ننانوے ہے۔''

''غلط۔'' محمود بول اٹھا۔

''درست۔'' احمد نے اصرار کیا۔

''میں کہتا ہوں یہ غلط ہے۔''

''میں کہتا ہوں یہ درست ہے۔''

دونوں جھگڑنے لگے۔

''جھگڑتے کیوں ہو۔ ابھی اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے محمود بیٹا!''

''فرمایئے تایا جان۔''

''مرغی تمھارے پاس ہے نا۔''

''ہے جی۔''

''پر گن لو۔ معلوم ہو جائے گا احمد ٹھیک کہتا ہے یا غلط۔''

محمود کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''محمود بیٹا! کیا سوچتے ہو؟''

محمود کچھ دیر خاموش رہا پھر مرغی احمد کی طرف بڑھا کر بولا ''میں اپنے کیے پر نادم ہوں تایا جان۔''

''شاباش محمود بیٹا! سعادت مند اولاد کوئی بری حرکت کرے پھر اس پر ندامت کا اظہار کرے تو اللہ پاک اسے معاف کر دیتا ہے۔''

''میں نے دل سے ندامت کا اظہار کیا ہے۔'' محمود بولا۔

چائے پینے کے بعد تایا جان، احمد اور آصف چلنے لگے ہاں ان کے ساتھ احمد کی مرغی بھی تھی۔

بلال بیگ کا لال کیک

میں پرائمری اسکول سے گھر کی طرف بھاگا اور سیدھا امی کی گود میں گھس گیا۔

میری کلاس میں کوئی بھی مجھے پسند نہیں کرتا۔،، میں نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''کیا ہو گیا بیٹا؟ آپ نے ایسا کیوں سوچا؟'' امی نے محبت سے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''وقفے کی چھٹی میں ایک لڑکا زور سے چلایا، بلال بیگ، بلال بیگ، اتنا بڑا لال بیگ... کیا میں لال بیگ ہوں امی؟ میں نے روتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں جان۔'' امی نے مجھے دلاسا دیا۔''یہ تو بس ایک قافیہ ہے۔''

''وہ مجھ پر ہنس رہے تھے۔

''میں نے ناک منہ بنا کر کہا۔ٹھیک ہے۔ میں ایک ترکیب بتاتی ہوں،تم بھی اس مذاق کا حصہ بن جاؤ گے۔'' امی مسکرا کر بولیں۔

وہ کیسے؟''

''کیک کے ذریعے'' امی کی آنکھوں میں چمک تھی۔

''کیک کے ذریعے؟'' میں حیران تھا۔

ہاں! بلال بیگ کالال کیک ہم ابھی بناتے ہیں۔''

اور جلد ہی ہمارا باورچی خانہ چاکلیٹ، ناریل، مکھن اور بادام کی خوشبو سے مہک رہا تھا اور جب کیک لال ہوگیا، تب امی نے اس کو جلدی سے نکال لیا۔

''تمہاری کلاس میں کتنے بچے ہیں؟'' امی نے سوال کیا۔

''تیئیس (۲۳)۔'' میں جلدی سے بولا۔

''تو پھر ہم اس کو اٹھائیس ٹکڑوں میں کاٹیں گے۔ ایک ایک ہر بچے کے لیے، ایک پرنسپل صاحب کے لیے اور دو ہم دونوں کے لیے۔

کل تمہارے ساتھ اسکول جائیں گے اور تمہارے ٹیچر سے بات کریں گے اور جب وقفہ ہوگا تو وہ تمام بچوں کو قطار میں کھڑا کر کے بلائیں گے اور ایک ایک بچہ آتا جائے گا اور کہتا جائے گا، بلال بیگ، بلال بیگ، ہمیں بھی دو لال کیک!، پھر تم ایک ایک کیک اٹھاؤ گے اور اسکے ہاتھ پر رکھ کر کہو گے، میں تمہارا دوست بلال بیگ، یہ رہا تمہارا لال کیک۔''

اور پھر اس سے اگلے دن ایسا ہی ہوا۔ تب سے سب بچے مجھے چڑانا

بھول گئے اور میں اکثر یہ سنتا تھا:

''بلال بیگ کب لاؤ گے لال کیک!،

میں بعض موقعوں پر کیک بنوا کر لے گیا۔ اس طرح سے میرا مذاق اڑانے والے میرے دوست بن گئے۔

دوستو! کسی کے مذاق اڑانے سے چڑنا نہیں چاہئے بلکہ اس میں شامل ہو جانا چاہئے اگر ہم کسی کے مذاق اڑانے سے چڑنے لگے تو ہمارا اور مذاق اڑایا جائے گا۔

انسانیت کی خدمت

''دانش! دانش بیٹا! کیا کر رہے ہو۔ یہ تمھارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟'' دادا ابو نے سخت لہجے میں آواز دی۔

''دادا ابو! یہ چیزیں خراب ہوگئی ہیں۔ اس لیے میں انھیں کوڑے کی ٹوکری میں پھینکنے جا رہا ہوں۔'' دانش نے جواب دیا۔

''دکھاؤ!'' دادا ابو نے کہا۔

دانش نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیلی دادا ابو کو دیدی جس میں بریانی اور سلاد وغیرہ تھی۔

دادا ابو نے سونگھ کر کہا: ''یہ تو خراب نہیں ہوئے۔ تم اسے دوسرے وقت کے لیے فریج میں رکھ دیتے۔ حیرت ہے بیٹا کہ آپ کے نزدیک رزق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

''دادا ابو مجھ سے کھایا نہیں گیا تھا۔'' دانش نے اپنی صفائی پیش کی۔

''نہیں بیٹا! بات دراصل یہ ہے کہ تم نے آنکھ کھولی تو تمہیں زندگی کی تمام آسائش میسر آئیں۔

تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ سب کتنی محنت کا نتیجہ ہے۔ یہ غذا جو انتہائی

بہترین ہے' اس کی تمھارے آگے کوئی قدر نہیں ہے۔

خیر اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں۔ اچھا تم میرے ساتھ آؤ۔''

دانش ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے اس کو ماں باپ اور دادا بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ اسکول بھی وہ اپنی گاڑی میں جاتا تھا۔

گاڑی اب کچے پکے راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ دور دور تک آبادی کا کوئی نشان نظر نہیں آرہا تھا۔

اب انھیں کچھ خیمے نظر آئے اور پھر آہستہ آہستہ وہ خیمے نزدیک آگئے۔

دادا ابو اترے۔ دانش بھی اتر گیا۔

بہت ساری عورتیں' بچے اور بوڑھے کھلے آسمان تلے بیٹھے تھے۔ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے انھیں گرمی کی شدت کا کوئی احساس نہیں ہے۔

ایک عورت دوڑتی ہوئی ان کے قریب آئی اور بولی: ''صاحب! میرا بچہ دودھ پیتا ہے اور دودھ کا ڈبا اور بہت سی چیزیں برباد ہوگئی ہیں۔''

جب وہ چلی گئی تو ایک بوڑھا ان کے قریب آیا۔ اس نے کہا: ''صاحب! یہ پاگل ہوگئی ہے۔ اس کا بیٹا غذا کی کمی کی وجہ سے مرگیا ہے اور اس کا شوہر بھی۔ میں اس کا باپ ہوں۔''

''دیکھو بیٹا! تم نے ابھی زندگی کا ایک رخ دیکھا ہے۔ دوسرا نہیں۔ یہاں تمھیں ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنھوں نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔ تمھارے ہم عمر دوست دن بھر میں اپنے والدین سے نامعلوم کتنا جیب خرچ لیتے ہیں اگر اس میں سے کچھ ان کو دے دیں تو یہ ایک وقت کا کھانا کھالیں۔''

دادا ابو کی یہ باتیں سن کر دانش کو بہت رنج ہوا۔

دوسرے دن دانش دادا ابو کے کمرے میں آیا اور کہا: ''دادا جان! آج پھر اسی جگہ چلیں۔ میں نے بہت سی چیزیں' ایک کمبل بہت سے کپڑے اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں جمع کی ہیں تاکہ ان لوگوں کی مدد کرسکوں۔''

''واہ میرے بیٹے! تم نے میرا دل خوش کر دیا۔'' دادا ابو بولے اور وہ دونوں وہاں چل دیے۔

سوالات

دوستو......! ان سوالات کا جواب کتاب ہی میں اسٹیکرز کی صورت میں موجود ہے آپ مطلوبہ جواب کا اسٹیکر سوال کے نیچے دی ہوئی خالی جگہ پر چپکا یئے۔

سوال نمبر۱۶: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کونسی کتاب نازل ہوئی ؟

جواب:

سوال نمبر۱۷: حضرت داوٗد علیہ السلام پر کونسی کتاب نازل ہوئی ؟

جواب:

سوال نمبر۱۸: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کونسی کتاب نازل ہوئی ؟

جواب:

سوال نمبر ۱۹: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کونسی کتاب نازل ہوئی؟

جواب:

سوال نمبر ۲۰: قرآن مجید میں کتنے پارے ہیں؟

جواب:

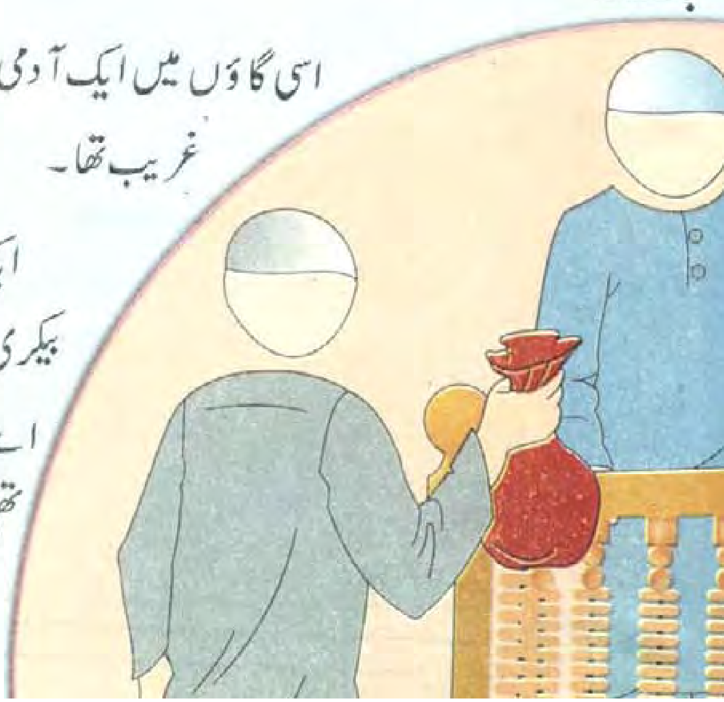
بیکری والا

حامد شہر سے تھوڑی دور ایک گاؤں میں رہتا تھا گاؤں کے بازار میں اسکی ایک بیکری تھی۔

گاؤں کے اکثر لوگ اسی کی بیکری سے سامان خریدتے تھے کیونکہ اس کی بیکری کی چیزیں تازہ ہوتی تھیں۔

حامد ایک لالچی اور کنجوس شخص تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت دولت سے نوازا تھا لیکن وہ اس دولت میں سے غریبوں پر کچھ بھی خرچ نہیں کرتا تھا بلکہ ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ کس طرح اس کی دولت میں اضافہ ہو جائے۔

اسی گاؤں میں ایک آدمی ہارون رہتا تھا وہ بہت غریب تھا۔



ایک دن ہارون حامد کی بیکری کے باہر سے گزر رہا تھا اسے بے حد بھوک لگی ہوئی تھی اور جیب میں ایک

پیسہ بھی نہ تھا۔ حامد کی بیکری سے تازہ ڈبل روٹیوں کی خوشبو آرہی تھی۔ ہارون بیکری کے باہر کھڑا ہوکر ڈبل روٹیوں کی خوشبو سونگھنے لگا۔

حامد بیکری میں بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بیکری سے باہر آکر ہارون کو پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے میری بیکری سے آنے والی خوشبو کو سونگھا ہے اس لیئے تم اس کے پیسے دو۔ ہارون بہت پریشان ہوا کیونکہ اس کے پاس تو پیسے ہی نہ تھے۔

اس نے حامد سے کہا بھائی حامد میں نے تم سے کوئی چیز تو نہیں خریدی کہ میں تم کو پیسے دوں میں نے تو صرف خوشبو سونگھی ہے اور خوشبو سونگھنے کے پیسے نہیں ہوتے۔ اب تو حامد غصے سے چلانے لگا۔

لوگ جمع ہوگئے لوگوں نے بھی سمجھایا کہ ظلم مت کرو ظالم کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ ظالم کو ذلیل کردیتے ہیں۔

لیکن حامد نہ مانا اور اس نے کہا کہ ہمارا فیصلہ قاضی صاحب (جج صاحب) کریں گے اور یہ کہہ کر وہ ہارون کو لے کر عدالت کی طرف روانہ ہوا۔

ہارون نے راستہ میں اپنے بھائی زاہد کو بھی بلا لیا کہ وہ بھی اس کے ساتھ چلے اور اس کی مدد کرے۔

زاہد ایک سمجھدار اور عقلمند آدمی تھا وہ جانتا تھا کہ حامد بہت ہی لالچی آدمی ہے۔ یہ تینوں قاضی کے پاس عدالت پہنچے۔

حامد نے قاضی سے کہا جناب والا! اس شخص (ہارون) نے میری بیکری کی چیزوں کی خوشبو کو سونگھا اور اب یہ اس کے پیسے نہیں دے رہا آپ انصاف کریں اور مجھے میرا حق اس سے دلوایئے۔

زاہد حامد کی بات سن رہا تھا وہ آگے بڑھا اور قاضی صاحب سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس کی اجرت ادا کردوں۔ قاضی صاحب نے اجازت دے دی زاہد نے جیب سے سکوں سے بھری ہوئی تھیلی نکالی اور حامد کے کان کے قریب تھیلی کو ہلایا جس سے سکوں کی چھن چھن پیدا ہوئی۔

زاہد نے حامد سے کہا کیا تجھے سکوں کی آواز سنائی دی۔

حامد نے کہا ہاں۔

زاہد نے کہا یہی آواز کا سننا اجرت ہے اس سونگھنے کی جو ہارون نے سونگھا۔

قاضی صاحب زاہد کی عقلمندی سے بہت خوش ہوئے اور ہارون کو آزاد کر دیا اور پورے شہر میں اعلان کروا دیا کہ حامد ایک لالچی آدمی ہے۔

اب جو لوگ پہلے حامد سے محبت کرتے تھے اس کی لالچ اور غریبوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگے۔

آنہ، دوآنہ، کھوٹا آنہ

دینو ایک محنتی کسان تھا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا تھا۔ ان کی زندگی میں سوائے اولاد کے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔

دینو کو اولاد کی بہت خواہش تھی۔ آخر بڑی دعاؤں کے بعد ان کی مراد پوری ہوئی اور اللہ نے انھیں ایک بیٹا دیا، مگر دونوں میاں بیوی اسے دیکھ کر حیران ہو گئے۔ بچہ بہت ہی چھوٹا سا تھا، ایک چھوٹی سی گڑیا کے برابر۔

جس نے بھی بچے کو دیکھا تو یہی کہا کہ بچہ بونا ہے۔ اس کا قد زیادہ سے زیادہ دو یا تین فٹ تک بڑھ سکے گا اور بس۔

دینو بہت مایوس ہوا اور اس نے بچے کا نام آنہ رکھ دیا۔

آنہ واقعی بہت آہستہ آہستہ بڑا ہونا شروع ہوا۔

کچھ عرصے بعد دینو کے گھر میں ایک اور بچے کی آمد ہوئی، لیکن وہ بھی پہلے کی طرح بونا نکلا۔ دینو نے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے اپنی قسمت کو کوسنا شروع کر دیا اور چڑ کر دوسرے بیٹے کا نام دوآنہ رکھ دیا۔

گاؤں میں اس کے دوستوں نے دینو کو بہت سمجھایا کہ اولاد اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اس کا شکر ادا کرو ناشکری نہ کرو، مگر دینو ہر وقت اپنی قسمت کو برا کہتا تھا۔

اسے فکر تھی کہ جب یہ بوڑھا ہو جائے گا تو اس کے کھیتوں میں ہل کون چلائے گا بوائی کون کرے گا اور فصل کون کاٹے گا یہ بونے بچے بھلا کیا کام کریں گے۔

وہ اسی فکر میں تھا کہ اللہ نے اسے تیسرا بیٹا دیا وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح بونا تھا دینو نے اپنا سر پیٹ لیا اور کئی دن تک وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلا۔

وہ اس قدر چڑ چڑا ہو گیا تھا کہ کسی سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔ غصے میں آ کے اس نے اپنے تیسرے بیٹے کا نام کھوٹا آنہ رکھ دیا۔

وقت گزرتا گیا اور یہ تینوں آنہ، دوآنہ اور کھوٹا آنہ جوان ہو گئے۔

تینوں تین، تین فٹ کے تھے ان کے قد تو نہ بڑھ سکے، مگر اپنی شرارتوں میں، ذہانت میں اور بے باکی میں وہ تینوں یکتا تھے۔

وہ اپنے باپ کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے۔ کھیتوں میں چوکیداری بھی کرتے تھے، مگر دینو کسان ان سے خوش نہیں تھا۔ اسے تو رہ رہ کر یہی خیال آتا تھا کہ کاش یہ بچے معمول کے مطابق قد میں پورے اور کڑیل جوان ہوتے۔

تینوں بونوں میں ایک ایک خصوصیت بھی تھی۔ آنہ جانوروں کی آوازیں بڑی عمدہ نکالتا تھا اور ان کی بولی بھی سمجھتا اور بولتا تھا۔

دوآنہ تیراندازی میں ماہر تھا اور آنکھ بند کر کے نشانے پر تیر مارتا تھا۔

کھوٹا آنہ ہوا میں اڑکر چھلانگ مارتا تھا اور اس کی لات جسے پڑ جاتی اس کا منھ ٹیڑھا کر دیتی تھی۔ وہ بس ایک چھلاوا تھا۔

دینو کے کھیت میں فصل تیار تھی۔ اس نے فصل کٹوا کر منڈی میں بیچ دی اور خوشی خوشی رقم لے کر گھر آ گیا۔

چار دینو دینو کی تاک میں تھے۔ انھوں نے رات کو کسان کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنایا اور آدھی رات کو کسان کے گھر میں داخل ہو گئے۔

کسان اور اس کی بیوی سو رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے انھیں لات مار کر اٹھا دیا۔

دونوں نے جب ڈاکوؤں کو سامنے پایا تو بہت گھبرائے۔

ایک ڈاکو بولا: ''نکالو وہ ساری رقم جو آج تم منڈی سے لائے ہو۔''

دینو نے کہا: ''بھائیو! میں بڑا غریب آدمی ہوں۔ اسی رقم سے پورے سال گزارا کرنا ہے۔ یہ ظلم نہ کرو۔''

لیکن ڈاکو تو پھر ڈاکو تھے۔ انھوں نے کسان کو مارنا شروع کر دیا۔

تینوں بھائی یعنی آنہ، دوآنہ اور کھوٹا آنہ یہ منظر چھپ کر دیکھ رہے تھے۔

آنہ کسان کی چھتری میں چھپا ہوا تھا۔

دوآنہ ایک بالٹی کو اُلٹی کر کے اس کے اندر بیٹھا تھا۔

کھوٹا آنہ اوپر مچان پر رکھے گدوں اور تکیوں کے درمیان گھسا بیٹھا تھا۔

ایک ڈاکو کے ہاتھ میں بڑی سی بندوق تھی۔ اس نے بندوق کسان کی طرف تان رکھی تھی اور وہ ڈاکو برابر رقم کا مطالبہ کر رہے تھے۔

سب سے پہلے دوآنہ نے بالٹی کو اندر سے بجایا۔

ایک ڈاکو بولا: ''یہ کیسی آواز تھی؟''

دوسرا بولا: ''تمھارے کان بج رہے ہیں۔'' دوآنہ نے پھر بالٹی بجائی۔ اب تو ڈاکوؤں نے چاروں طرف دیکھا، لیکن انھیں کوئی نظر نہ آیا۔ ڈاکوؤں نے دینو سے پوچھا: ''یہ کیسی آواز تھی؟''

دینو نے کہا: ''بھائیو! مجھے کیا پتا شاید کوئی جانور ہوگا۔''

اسی وقت آنہ نے اپنے منھ سے بھیڑیے کی آواز نکالی۔

ایک ڈاکو نے گھبرا کر اپنے ساتھی سے کہا: ''لو باہر بھیڑیے آ گئے۔''

دوسرے ڈاکو نے اسے غصے سے جھڑک دیا اور بولا: ''چپ بزدل! میں ڈرتا نہیں ہوں، تو مجھے بھی ڈرا رہا ہے۔''

کسان نے کہا: ''یہاں آدھی رات کو بہت خطرناک جانور آتے ہیں، آپ لوگ بھاگ لیں۔''

ڈاکوؤں کا سردار بولا: واہ بھئی واہ! ہم سے چالاکی کر رہا ہے۔ نکال جلدی سے سارا مال اور زیور نقدی۔'' یہ کہہ کر سردار نے دینو کسان کو ایک تھپڑ مارا۔

یہ دیکھ کر آنہ نے شیر کی بڑی گرج دار آواز نکالی جسے سنتے ہی ڈاکوؤں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اسی لمحے کھوٹا آنہ جو مچان پر بیٹھا تھا جست لگا کر بندوق والے ڈاکو پر کودا اور ایک زور دار لات اس کے منہ پر رسید کی۔ ڈاکو کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ گئی اور وہ اپنا جبڑا پکڑ کر دہرا ہو گیا۔

کسان نے جھپٹ کر بندوق اٹھالی اور چاروں ڈاکوؤں پر تان لی۔ کھوٹا آنہ ایک بار پھر ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور اپنی دونوں لاتیں اس نے ڈاکوؤں کے سردار کے منہ پر جما دیں۔ وہ ایک کونے میں جا گرا۔

ایک ڈاکو نے آواز لگائی: ''بھاگو۔'' اور وہ سب بھاگ نکلے۔

کسان نے اطمینان کا سانس لیا اور زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے بچوں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

کھوٹا آنہ نے باپ کی طرف دیکھ کر کہا: ''ابا! ہم ریزگاری ہی سہی، لیکن بڑے کام کی ریزگاری ہیں۔''

کسان بولا: ''بچو! اب سو جاؤ، لیکن تمھارے لیے ایک خبر ہے، خیر وہ صبح سناؤں گا۔''

تینوں آنے ضد کرنے لگے: ''نہیں نہیں وہ کیا خبر ہے ابھی سنائیں۔''

کسان نے جواب دیا: ''بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ اس کی تین شہزادیوں کے لیے اچھے اور بہادر شوہر چاہئیں۔ وہاں بڑے زبردست مقابلے ہوں گے۔ تم لوگ بھی جا کر قسمت آزمائی کرو۔ تم تینوں نے الٹے سیدھے کام سیکھ رکھے ہیں، ممکن ہے کوئی بات بن جائے۔''

تینوں بھائی بڑے خوش ہوئے کہنے لگے: ''ہم لوگ صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔''

کھوٹا آنہ بولا: ''ہوسکتا ہے وہ تینوں شہزادیاں ہمارے ہی نصیب میں لکھی ہوں۔''

کسان نے ہنستے ہوئے جواب دیا: ''اگر ایسا ہو گیا تو میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اللہ کی ناشکری نہیں کروں گا۔''

غرض صبح ہوتے ہی تینوں نے سفر کے لیے سامان باندھا اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب منزلیں طے کرتے ہوئے وہ شہر میں داخل ہوئے تو لوگ انھیں دیکھ کر ہنسنے لگے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ یہ تو شاید جوکر ہیں جو شاہی

مسخرے بننے آئے ہیں' مگر وہ سب سے بے نیاز چلتے رہے۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے تو بادشاہ انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا: ''تم تینوں مل کر لڑو گے یا ایک ایک کر کے۔''

دو آنہ نے جواب دیا: ''جہاں پناہ! ہم تو مقابلے میں شریک ہونے آئے ہیں' جیسے آپ کی مرضی۔''

بادشاہ نے کہا: ''تمھیں پتا ہے بڑے بڑے شہزادے اور سورما ان مقابلوں میں حصہ لیں گے۔ تم ان سے بھلا کیسے مقابلہ کرو گے؟''

کھوٹا آنہ بولا: '' آپ ہمارے قد پر نہ جایئے اور مقابلے کا انتظام کیجیے۔''

بادشاہ نے کہا: ''کل صبح شاہی میدان میں آجانا۔ اب جا کے آرام کرو۔''

دوسرے دن میدان میں رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ چاروں طرف لوگ بھرے ہوئے تھے۔ کئی نامی پہلوان' تیر انداز اور تلوار باز وہاں موجود تھے۔ پڑوس کے ملکوں کے شہزادے بھی آئے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے تیر اندازوں کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقابلہ دو آنے نے جیت لیا۔

پہلوانی اور زور زمائی کے مقابلوں میں جب کھوٹا آنہ میدان میں اترا تو چاروں طرف سے لوگ ہنسنے لگے۔

کئی شہ زور اور پہلوان اس کے مقابلے پر آئے' مگر کھوٹہ آنہ کی لاتوں

نے سب کے منہ توڑ کر رکھ دیے۔ بادشاہ سلامت بھی ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے۔

اب بادشاہ نے اٹھ کر اعلان کیا کہ ایک انوکھا کھیل ہوگا۔ ہم کچھ جانور چھوڑیں گے اور امیدواروں کو ان سے لڑنا ہوگا۔ اگر وہ جانوروں کو مار ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تو شہزادیوں کی شادی انھیں بہادروں سے کی جائے گی۔

میدان خالی کر کے سپاہیوں نے پنجرے کھول دیے۔

ان جانوروں میں بھیڑیے، کتے ریچھ اور خوف ناک بڑے بڑے بندر شامل تھے۔

یہ دیکھتے ہی تمام امیدوار میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب میدان میں اترنے کو کوئی تیار نہیں تھا۔

پھر لوگوں نے دیکھا کہ آنہ، دوآنہ اور کھوٹا آنہ میدان میں اترے اور چاروں طرف سے جانوران کی طرف دوڑے۔ جیسے ہی جانوران کے قریب آئے آنہ نے شیر کی گرج دار آواز نکالی جانور ٹھٹک گئے اور ڈر کے پیچھے ہٹنے لگے۔ دوآنہ نے تیر کمان نکالی اور اپنی بے مثال مہارت سے کئی خوفناک جانوروں کو نشانہ بنایا۔ کھوٹا آنہ اچھل اچھل کر دولتیاں چلا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میدان میں جانوروں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

بادشاہ نے تینوں بونوں کی جیت کا اعلان کیا اور ان تینوں کے ساتھ تینوں شہزادیوں کا نکاح کر دیا پھر شاہی پالکی میں سے تینوں شہزادیاں باہر

نکلیں۔ حسن اتفاق کہ یہ تینوں بھی بونی تھیں۔

بادشاہ نے آنوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میں تو خود یہ چاہتا تھا کہ آپ کامیاب رہیں، کیوں کہ ان چھوٹی چھوٹی گڑیوں جیسی شہزادیوں کے لئے آپ تینوں سے اچھا کوئی رشتہ نہیں ہوسکتا۔''

دوسرے دن بادشاہ نے شادی کی دعوت کا اعلان کردیا اور تینوں بھائیوں نے فوراً سپاہی بھیج کر اپنے ابا کو یعنی دینو کسان اور اپنی ماں کو بلا بھیجا۔ دینو کسان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اللہ سے معافی مانگی اور دل سے تسلیم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر چیز پر شکر ادا کرنا چاہیے اور کبھی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔

ایک دن کی سرگزشت

......اور اس سال پھر ہمارے اسکول میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے ہونہار طالب علم کا نام ہے' سید عمر علی۔

ٹیچر کے منہ سے اپنا سن کر ہم خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تھے۔ تمام دوست ہمیں مبارک باد دے رہے تھے۔ اور ہم اپنا انعام لینے کے لیے خراماں خراماں اسٹیج کی جانب بڑھ رہے تھے کہ اچانک امی کی آواز گونج اٹھی

عمر اٹھو اسکول نہیں جانا کیا؟

یہ ایسے نہیں مانے گا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زناٹے دار تھپڑ پڑا۔ ''چٹاخ'' ہم ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ابھی ہم اس ناگہانی آفت سے نمٹنے کی ترکیب سوچ ہی رہے تھے کہ ایک اور دھماکا ہوا اور امی کی غصے بھری آواز سنائی دی۔

''رات کو دیر سے سوتا ہے اور صبح وقت پر نہیں اٹھتا۔ اب ہم نے بد حواس ہو کر آنکھیں کھول دیں اور اپنا گال سہلاتے ہوئے اٹھ کر اردگرد کا جائزہ لینے لگے۔

اب ہمیں پتا چلا کہ ہم دراصل خواب دیکھ رہے تھے۔ پھر ہمیں یاد آیا کہ ہم سوتے وقت الارم لگانا بھول گئے تھے' لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ اسکول کی

ون (گاڑی) تو نکل چکی تھی ۔ ہمیں بس سے اسکول جانا پڑے گا' اور آدھا سفر پیدل طے کرنا پڑے گا۔

ٹائم دیکھا تو خوش قسمتی سے پون گھنٹہ ابھی باقی تھا۔

ہم جلدی سے اٹھے اور باتھ روم چلے گئے ۔ پندرہ منٹ باتھ روم میں لگ گئے ۔

پھر ہم نے جلدی جلدی یونیفارم پہنا۔ جوتے نکالے مگر ان پر پالش نہیں ہوئی تھی لہٰذا ہمیں پریشانی اٹھانی پڑ رہی تھی ۔

ہمیں یاد آیا امی نے کہا تھا کہ اپنا سامان وغیرہ رات ہی کو نکال کر رکھ لینا ورنہ صبح پریشانی ہوگی مگر ہمیں ہوش کہاں تھا۔

ہم تو اس وقت کھیل میں مصروف تھے۔اب ہمیں رہ رہ کر امی کی نصیحت کا خیال آرہا تھا۔

ہم نے جوتے پہن لیے اور بال بنانے لگے۔لیکن بال تھے کہ بن ہی نہیں رہے تھے۔

آخر دس منٹ اس میں لگ گئے تو ابو کہنے لگے پتا نہیں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر کونسا سنگھار کرتا رہتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ سارا اسکول اسی کو دیکھنے آتا ہے۔

اب ابو سے کیا کہتے ۔ہم نے جلدی میں ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا۔اور سب کو خدا حافظ کہتے ہوئے گھر سے نکل پڑے ۔ایک بس آ گئی ہم نے اس پر سوار ہونے کے لیے راڈ پکڑا کہ اچانک ایک زوردار دھکا پڑا اور ہم دو فٹ پیچھے جا گرے دوبارہ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے اوران لوگوں کی پرواہ کیے بغیر جو ہم پر ہنس رہے تھے' زبردستی بس میں سوار ہو گئے ۔

بس مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی ۔

ہم نے کنڈیکٹر کو مسافروں سے پیسے لیتے ہوئے دیکھا تو بے اختیار ہم نے بھی کرائے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کرایہ ادا کیا

ہمارا اسٹاپ آنے والا تھا۔ہم گیٹ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے ۔اب ایک نیا مسئلہ درپیش ہوا بس کے رکتے ہی مسافر بس میں دھڑا دھڑ سوار ہونے لگے ۔

ہم نیچے اترنے کی کوشش کرتے' لیکن چڑھنے والے مسافر زیادہ تھے اس لیے پھر اوپر پہنچ جاتے بڑی مشکل سے اتر پائے ۔اب ہمیں آدھا راستہ پیدل طے کرنا تھا۔

ہم خوش تھے کہ چلو بس سے تو جان چھوٹی ۔لیکن جب ہم نے گھڑی دیکھی تو ہماری خوشی فوراً رخصت ہو گئی ۔آٹھ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے اگر ہم بھاگ کر راستہ طے کرتے تو ممکن تھا کہ مقررہ وقت پر پہنچ جاتے ۔

ہم نے بھاگنا شروع کیا۔ آخر ہم اسکول کے قریب پہنچ گئے۔

اب جو ہم نے نیچے نگاہ دوڑائی تو ہمارے داہنے پاؤں کا انگوٹھا جوتے سے باہر نکلا ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی ہماری بے بسی پر ہنس رہا ہو۔ پھر ہمیں یاد آیا کہ ہم اس جوتے کی مرمت کروانا بھول گئے تھے۔

جیسے تیسے کر کے ہم اسکول پہنچ ہی گئے۔ پہلا پیریڈ کیمسٹری کا تھا۔ استاد سب کی کاپیاں چیک کر رہے تھے۔

جب ہماری باری آئی تو ہمیں یاد آیا کہ رات کو ہم کھیلنے میں اس قدر مصروف تھے کہ ٹائم ٹیبل سیٹ کرنا بھول گئے تھے۔ ''چٹاخ'' کی آواز کے ساتھ ہی سر (استاد) نے ہمارے پیارے گال پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ دیے اور ہم سے کان پکڑ کر فوراً کھڑا ہو جانے کو کہا۔

صبح ہی صبح اس بھول کی وجہ سے دو مرتبہ ہماری شامت آ چکی تھی۔ اور ہم پھر اپنے حافظے کو کوستے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

آخر چھٹی ہو ہی گئی ہم اپنی اسکول وین میں جا کر بیٹھ گئے۔ واپسی کا سفر آرام سے گزرا اور ہم خیر و عافیت سے گھر پہنچ گئے۔

وین ہمیں گلی کے موڑ پر اتار کر چلی گئی۔ ہم اپنے اوپر پڑنے والی آفات کا سوچ رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے گلی میں جگہ جگہ کیچڑ پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے ہم سڑک کے کنارے چلنے لگے۔

ہم اپنی دھن میں مگن چلے جا رہے تھے اور گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ بدقسمتی سے ہمارا پاؤں کسی کم کمبخت کے پھینکے ہوئے کیلے کے چھلکے پر جا پڑا۔ ہم چھلکا پھینکنے والے کو برا بھلا کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ہم بری طرح سے کیچڑ میں لت پت ہو چکے تھے اس لیے تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو امی نکلیں اور ہمیں دیکھ کر کہنے لگیں ''معاف کرو بابا! ابھی کھانا نہیں پکا تھوڑی دیر بعد آنا۔''

یہ سن کر ہمارے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مگر ہم نے بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ ہم ان کے بیٹے ہیں۔

یہ سن کر امی کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور ہم اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے باتھ روم کی طرف چلے گئے۔

باتھ روم سے نکل کر کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں جانے لگے تو ابو نے اپنے کپڑے دیتے ہوئے کہا کہ میرے کپڑے استری کر دینا مجھے شام کو ضروری کام سے جانا ہے۔

ہم نے ابو سے کپڑے تو لے لیے' لیکن تھکن سے ہمارا برا حال ہو رہا تھا۔ ہم نے سوچا کہ ابھی تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے ہیں۔ ابو کو کونسا ابھی جانا ہے بس یہ سوچ کر ہم اپنے بستر پر لیٹے اور تھکن کی وجہ سے فوراً ہی سو گئے۔

سوکر اٹھے تو تروتازہ ہو چکے تھے۔ ہم نے سوچا کہ آئندہ جو بھی کسی کام کا کہے گا اسے فوراً کر ڈالیں گے۔ کوئی ٹال مٹول نہیں کریں گے۔ ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ابو کی آواز سنائی دی۔

عمر میرے کپڑے استری کر دیے؟ جلدی سے لے آؤ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اوراس کے ساتھ ہی ہم نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا کیوں کہ اس وقت بجلی بھی نہیں تھی۔ شاید آپ لوگوں کو بھی ''چٹاخ'' کی ایک آواز سنائی دی ہوگی۔

دوستو! آپ نے دیکھ لیا کہ وقت پر کام نہ کرنے سے کتنا نقصان ہوتا ہے امی ابو ناراض، اساتذہ ناراض اور پریشانیاں الگ اس لئے ہمیشہ اپنا کام وقت پر کیا کرو۔

ہزار دینار

شہر کے بازار میں رفیق کی کپڑے کی دکان تھی رفیق ایک نیک اور ایمان دار تاجر تھا۔

وہ صبح فجر کی نماز پڑھ کر ذکر وغیرہ سے فارغ ہو کر دکان کھولتا اور جیسے ہی ظہر کی اذان ہوتی وہ دکان بند کر کے مسجد چلا جاتا۔

اللہ رب العزت نے بھی اس کے کاروبار میں برکت دی تھی رفیق کا شمار مال دار لوگوں میں ہوتا تھا۔



رفیق کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں رفیق نے ایک ہزار دینار (سونے کے سکّے) رکھے ہوئے تھے ایک مرتبہ رفیق کو کاروبار کے سلسلے میں دوسرے ملک جانا تھا۔

وہ اپنے ایک قریبی دوست عامر کے پاس اپنی تھیلی لیکر گیا اور اس سے کہا کہ بھائی عامر میں کچھ عرصہ کے لئے دوسرے ملک

جار ہا ہوں اور تمھارے پاس اپنی ایک امانت چھوڑ کر جا رہا ہوں امید ہے تم اس کی حفاظت کرو گے میں واپس آ کر تم سے یہ امانت لے لوں گا۔۔

یہ کہہ کر رفیق نے ہزار دینار (سونے کے سکّے) سے بھری تھیلی عامر کے حوالے کر دی عامر نے وہ تھیلی حفاظت سے اپنے پاس رکھ لی۔

رفیق اپنے سفر پر روانہ ہو گیا دن گزرتے گئے رفیق کو گئے ہوئے کئی سال ہو گئے۔

اب عامر کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں اس تھیلی سے دینار (سونے کے سکّے) نکال کر درھم (چاندی کے سکّے) ڈال دوں رفیق واپس آ کر اگر پوچھے گا تو میں جھوٹ بول دونگا کہ تم نے تو مجھے یہی دیا تھا میں نے اس تھیلی کو کھول کر بھی نہیں دیکھا اور عامر نے اسی طرح کیا تھیلی سے دینار نکالے اور ان کی جگہ درھم رکھ دیئے۔

کچھ عرصہ کے بعد رفیق واپس آ گیا وہ عامر کے گھر گیا عامر اس سے بہت اچھے طریقے سے ملا اور سکوں سے بھری تھیلی رفیق کے حوالے کر دی۔

رفیق نے گھر آ کر تھیلی کھولی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تھیلی بجائے دینار (سونے کے سکّے) کے درھم (چاندی کے سکّے) سے بھری ہوئی ہے اب تو رفیق بہت پریشان ہوا۔ وہ بھاگتا ہوا عامر کے پاس گیا اور اسے ساری بات بتائی۔

عامر بہت غصہ ہوا اور کہا کہ ایک تو میں نے تم پر احسان کیا اور تمھارے

مال کی حفاظت کی اور اب تم مجھ پر چوری کا الزام لگاتے ہو۔

بے چارہ رفیق گھر واپس آیا دو رکعت نفل نماز پڑھی اللہ سے دعا مانگی کہ اے اللہ میں تو ہر سال اپنے مال کی زکوۃ بھی نکالتا ہوں اور جس مال کی زکوۃ نکل جائے اُس کی آپ حفاظت فرماتے ہیں میرے مال کی حفاظت فرما کر مجھے واپس لوٹا دیجئے اور اللہ کا نام لے کر عدالت پہنچا اور قاضی صاحب (جج) کو سارا واقعہ سنایا۔

قاضی صاحب نے عامر کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ رفیق نے تمھارے پاس امانت کتنے سال پہلے رکھوائی تھی۔

اس نے کہا پانچ سال پہلے۔

اب قاضی صاحب نے تھیلی کھولی اور سکوں کو باہر نکالا اور عامر سے کہا کہ تم کہتے ہو کہ یہ سکے رفیق نے تمھارے پاس پانچ سال پہلے رکھوائے تھے جبکہ ان سکوں پر ان کے بننے کی تاریخ دو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے اس کا مطلب ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اب جلدی سے رفیق کا مال اس کے حوالے کر دو اور سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔

عامر نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے رفیق کا مال اِس کے حوالے کر دیا۔

اللہ دیکھ رہا ہے

الفاظ	تلفظ	معنی
کامیاب	کَامیَاب	مقصد حاصل کرنے والا
راحت	رَاحَت	آرام
سکون	سُکُوْن	ٹھہراؤ، خاموشی
اطمینان	اِطْمِیْنَان	سکون

چھوٹے چھوٹے دانے

الفاظ	تلفظ	معنی
خوراک	خُوْرَاک	غذا
فکرمند	فِکَرْمَنْد	غمگین، سوچ میں مبتلا
شرط	شَرْط	وہ چیز جس پر کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا طے ہو
پابندی	پَبَنْدِی	کسی بات پر قائم رہنا

مہربانی	مِہر بانی	عنایت، توجہ
قہقہہ	قَہْقَہَہ	زور سے ہنسنا
مشتمل	مُشْتَمِل	شامل، شریک

ایک تھی مانو

الفاظ	تلفظ	معنی
اجنبی	اَجْنَبی	پردیسی، مسافر، ناواقف
ترس	تَرَس	رحم
پچکارنا	پُچْکارنا	تسلّی دینا
کاہلی	کاہِلی	سستی، آرام طلبی

اسکول

الفاظ	تلفظ	معنی
تعلیم	تَعْلِیم	سکھانا

تربیت	تَرْبِیَت	پرورش/تعلیم
فضائل	فَضَائِل	فضیلت کی جمع / بڑائی، نیکی کمال
الحمدللہ	اَلْحَمْدُلِلّٰہِ	تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں (شکر کے وقت کہا جانے والا جملہ)
چاہت	چَاہَت	خواہش، طلب

کیسا چالاک

الفاظ	تلفظ	معنی
چوٹی	چوٹی	اونچی جگہ
بل	بِل	سوراخ، چوہے وغیرہ کے رہنے کی جگہ
فدیہ	فِدْیہ	جسے دے کر قیدی آزاد کروایا جائے

کچھوا اور خرگوش

الفاظ	تلفظ	معنی
غرور	غُرُور	تکبر
مقابلہ	مُقَابَلہ	جنگ
بیدار	بِیدَار	جاگنا، چوکنّا، ہوشیار
مقررہ	مُقَرَّرَہ	ٹھہرایا ہوا
شرمندگی	شَرْمِندَگی	ندامت

بھائی جان کے جوتے

الفاظ	تلفظ	معنی
مسلسل	مُسَلْسَل	لگاتار، متواتر، پے در پے
اعتبار	اِعتِبار	بھروسہ
بہانہ	بَہَانہ	حیلہ، ٹال مٹول

نظم وضبط	نَظُم وضَبط	انتظام، بندوبست، قانون

اچھا لڑکا

الفاظ	تلفظ	معنی
ادب	اَدَب	لحاظ، تہذیب

لالچ بری بلا ہے

الفاظ	تلفظ	معنی
قصاب	قَصَّاب	ذبح کرنے والا، قسائی
حرکت	حَرَکت	ہلنا، ناپسندیدہ بات
بھونکنا	بھَوْنکَنا	کتے کا چلاّنا، شور مچانا
عکس	عَکَس	سایہ

اللہ تعالیٰ کے احسانات

الفاظ	تلفظ	معنی
احسان	اِحْسَان	نیکی، اچھا سلوک، شکر
ہاتھ بٹانا	ہاتھ بَٹانا	کام میں مدد کرنا
اہلیہ	اِہْلِیَہ	بیوی
صلوٰۃ الحاجۃ	صَلوٰۃُ الْحَاجۃ	ضرورت پوری کروانے کی دعا مانگنے کیلئے نفل نماز
بیساکھی	بِیسَاکھِی	وہ لاٹھی جسکی مدد سے لنگڑے (معذور) لوگ چلتے ہیں

گائے کی سچی سہیلی

الفاظ	تلفظ	معنی
بچھڑا	بَچھْڑا	گائے کا بچہ
نافرمان	نافَرمان	حکم نہ ماننے والا
خفا	خَفَا	ناراض

شیخی مارنا	شِیخِی مارنا	ڈینگ مارنا

اونٹ اور گیدڑ

الفاظ	تلفظ	معنی
منت	مِنَّت	عاجزی کرنا، خوشامد کرنا
لاٹھی	لَاٹھِی	ڈنڈا
غوطہ لگانا	غَوطَہ	ڈبکی لگانا

شیر اور چوہا

الفاظ	تلفظ	معنی
غار	غَار	پہاڑ کی کھوہ/گڑھا
شکاری	شِکَارِی	شکار کرنے والا
حقیر	حَقِیر	ادنیٰ، ذلیل

احمد کی مرغی محمود کے گھر

الفاظ	تلفظ	معنی
تپائی	تِپائی	میز
خوشخبری	خُوشخَبِری	اچھی خبر
تحقیق	تَحْقِیق	اصلیت معلوم کرنا، تفتیش
تصدیق	تَصدِیق	ثبوت، سچ کرنا
تائید	تائِید	حمایت
منہ بسورنا	منہ بسورنا	منہ بنانا
توقع	تَوَقُّع	امید، بھروسا
بچھڑنا	بِچھَڑنا	جدا ہونا
معقول	مَعْقُول	مناسب، درست
نادم	نادِم	شرمندہ

بلال بیگ

الفاظ	تلفظ	معنی
سسکیاں	سِسکِیاں	تکلیف کی وجہ سے آواز نکلنا
ترکیب	تَرکِیب	ڈھنگ، طریقہ

بیکری والا

الفاظ	تلفظ	معنی
عقلمند	عَقلمَند	عقل والا، سمجھ دار
انصاف	اِنصَاف	فیصلہ کرنا، عدل
نفرت	نَفرَت	ناپسندیدگی

آنہ دو آنہ کھوٹا آنہ

الفاظ	تلفظ	معنی
خواہش	خُواہِش	آرزو، چاہت، تمنّا
چڑچڑا	چِڑ چِڑا	بدمزاج
منڈی	مَنڈِی	بازار
تاک	تاک	انتظار میں ہونا
مچان	مَچان	اونچی جگہ
سورما	سُورما	بہادر

ہزار دینار

الفاظ	تلفظ	معنی
امانت	اَمانَت	سپرد کی ہوئی چیز
حفاظت	حِفاظَت	نگرانی، بچاؤ

وسوسہ	وَسْوَسَہ	وہم
دینار	دِیْنَار	سونے کا سکّہ۔
درہم	دِرْہَم	چاندی کا سکّہ
حیران	حَیْران	حیرت زدہ

۲ باتیں

ادارہ ''دارالھدیٰ'' کی طرف سے ایک وزنی سا پیکٹ موصول ہوا۔ پیکٹ سے پہلے ان کا فون آ چکا تھا کہ ہم اپنی کتب ارسال کر رہے ہیں، انہیں دیکھ کر اپنی رائے کا اظہار کر دیجیے۔ رائے کا اظہار کرنے کے لیے جب میں نے ان کتب کو دیکھا تو ایک خوش گوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ بڑے سائز کی خوب صورت جلد والی یہ کتابیں حیرت زدہ کر دینے کی حق دار بھی ہیں۔

ان کی ترتیب سے لے کر اشاعت کے آخری مراحل کی تکمیل تک ایک محنت کارفرما نظر آتی ہے۔ کہانیوں کا انتخاب خوب ہے، پھر ان کے نام بچوں کے بہت مناسب ہیں۔ کہانستان، کہانی آباد، کہانی نگر، کہانیوں کی دنیا جیسے نام بچوں کی توجہ فوراً اپنی طرف مبذول کر لیتے ہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ تمام کہانیاں اسلامی رنگ میں رنگی ہیں ....اور یہی آج کے بچوں کی ضرورت ہے............ ان حالات میں ادارہ مبارک باد کا مستحق ہے۔

والسلام

[signature]

مدیر ''بچوں کا اسلام''